يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ
وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

رسالہ

انوار الصوفیہ

جلد ۱ بابت ماہِ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ نمبر ۵

فہرست مضامین

انجمن خدام الصوفیہ کی طرف سے

رفاہِ عام پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا


تاجدار بہاولپور

انوار الصوفیہ رسائل پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری
نے انجمن خدام الصوفیہ کے زیر اہتمام 1904 کو شروع کروایا تھا

رسالہ انوار الصوفیہ کی 1904 کی ابتدائی 12 جلدیں مہیا
کرنے پر میں پروفیسر فاروق منشاد صاحب کا مشکور ہوں

پروفیسر محمد منشاد علی جماعتی رحمتہ اللہ علیہ
خلیفہ مجاز علی پور سیداں شریف

نوٹ: یہ رسائل باباجی سرکار پروفیسر منشاد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے
خود پروفیسر فاروق صاحب کو دیے تھے، اور ان تمام رسائل
کی سکینگ کا تمام کام پروفیسر فاروق صاحب نے کیا ہے،
جن کی لسٹ مندرجہ بالا ہے (بختیار حسین جماعتی)


پروفیسر فاروق منشاد جماعتی

1 1904 Agust	5 1905 February	9 1905 June
2 1904 September	6 1905 March	10 1905 July
3 1904 October	7 1905 April	11 1905 Agust
4 1905 January	8 1905 May	



مقاصد و اغراض رسالہ انوار الصوفیہ

(۱) اتحاد جمیع سلاسل صوفیہ مثلاً نقشبندیہ۔ چشتیہ۔ قادریہ۔ سہروردیہ۔ وغیرہ۔

(۲) اشاعت علم تصوف۔

(۳) فراہمی کتب تصوف۔

(۴) صوفیائے کرام کا تذکرہ۔ اخلاق و آداب وغیرہ کی تعلیم۔ وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ

ہر ایک قسم کی خط و کتابت متعلقہ انجمن خدام الصوفیہ یا رسالہ انوار الصوفیہ و ترسیل زر منی آرڈر و تبادلہ اخبارات و رسالہ جات بنام حافظ ظفر علی ایڈیٹر دفتر رسالہ انوار الصوفیہ لوہاری منڈی لاہور ہونی چاہیئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبولیت

آج رسالہ نمبر ۵ بھی حاضر خدمت احباب ہے۔ رسالہ نمبر ۴ جسمیں "ضرورت شیخ" پر عالیجناب غوث زماں قطب دوراں پیشوائے کاملین حامی الاسلام والمسلمین حضرت حافظ حاجی مولوی سید جماعت علی شاہ صاحب مجددی نقشبندی علی پوری دام اللہ فیوضہم و برکاتہم کا ایک مفصل اور نہایت دلکش مضمون درج تھا۔ ہم خدا کا لاکھ لاکھ شکر کرتے ہیں کہ ملک کے ہر ایک حصہ میں اسکو پوری قبولیت حاصل ہوئی۔ بلکہ ایک نوجوان جنٹلمین گریجویٹ جنکے خیالات لا مذہبیت سے دہریت کی طرف مائل تھے۔ مذہب اسلام اور فرقہ صوفیائے کرام کے عقائد کے شیدا بنکر داخل سلسلۂ نقشبندیہ ہو گئے اور ایک دوسرے جنٹلمین گریجویٹ جو شیعہ مذہب کے پیرو اور علم تصوف سے منکر تھے۔ وہ بھی سلسلۂ بیعت طریقت میں داخل ہو گئے۔ یہ سب اسی رسالہ کے مطالعہ کا فیض ہے۔ ہمیں خداوند تعالےٰ کی بارگاہ سے امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے مقاصد میں ضرور مفید ثابت ہو گا۔

ایڈیٹر

حمد و نعت

اے دروں پرور و بروں آرائے ‏ وے خرد بخش و بیخرد بخشائے
خالق و رازق زمین و زماں ‏ حافظ و ناصر مکین و مکان
ہمہ از صنع تو مکان و مکیں ‏ ہمہ در امر تو زمان و زمین
آتش و باد و آب و خاک سکوں ‏ ہمہ در امر قدرتت بیچوں
عرش تا فرش جز و مبدع تست ‏ عقل با روح پیک مسرع تست
در دہاں ہر زباں کہ گرداں است ‏ از ثنائے تو اندرو جان است
نامہائے بزرگ و محترمت ‏ رہبر جود و نعمت و کرمت
ہر یکے افزوں ز عرش و فرش و ملک ‏ زاں ہزار و یکیست صد کم یک
ہر یکے زاں بجائے منسوب ‏ لیک نامحرماں ازاں محجوب
یارب از فضل و رحمت ایں دل و جاں ‏ محرم دید نام خود گرداں
صانع و مکرم و توانا اوست ‏ واحد و کامران نہ چوں ما اوست
حیّ و قیوم عالم و قادر ‏ رازق خلق قاہر و غافر
فاعل جنبش است و تسکین است ‏ وحدہٗ لاشریک لہٗ این است
عجز ما حجت تمامی اوست ‏ قدرتش نائب اسامی اوست
لا و ہو ہر دو زاں سرائے بہی ‏ بازگشتند جیب و کیسہ تہی
برتر از وہم و عقل و حس و قیاس ‏ چیست جز خاطر خدای شناس
ہر کجا عارفیست در ہمہ فرش ‏ ہست چوں فرش زیر نعلش عرش
ہرزہ بیند روان بینندہ ‏ آفریں جز بر آفرینندہ
آنکہ داند ز خاک تن کردن ‏ با درا دفتر سخن کردن
واہب عقل و ملہم الالباب ‏ منشی نفس و مبدع اسباب
ہمہ از صنع اوست کون و فساد ‏ خلق را جملہ مبدع است و معاد
ہمہ از او و بازگشت بدو ‏ خیر و شر جملہ سرگشت بدو

اختیار آفرین نیک و بد اوست
ہیچ دل را بکنہ او راہ نیست
دل و عقل از جلال او خیرہ
عقل اول نتیجہ از صفتش
سست جولاں ز عز ذاتش وہم
نفس در موکبش کمر دوز نیست

باعث نفس و مبدع خرد اوست
عقل و جاں از کمالش آگاہ نیست
عقل جاں با کمال او تیرہ
راہ دادہ ورا بمعرفتش
تنگ میداں ز کنہ و صفتش فہم
عقل در مکتبش نو آموز نیست

نعت شریف

نیست از راہِ عقل و وہم حواس
جز خدا ہیچ کس خدای شناس

خلف وہ ہے کرے جو نام روشن جدِ امجد کا
کھنچا ایسا ہی نقشہ سراپائے محمدؐ کا
تبسم کیجئے غش آئے دانتوں کی تجلی سے
ہوا یہ محو حسنِ پاک اے محبوبِ یزدانی
اُتر کر عرش سے لیتے ہیں کو راندِ قدسی
پھریں جب پتلیاں آنکھوں کی یہ شوقِ زیارت ہو
نہیں ہو جبہ حسنِ یوسفی کی دھوم عالم میں
شبِ معراج حوروں نے بچھائیں اس قدر آنکھیں
جوانانِ چمن باہر ہوئے جاتے ہیں جامے سے
الٰہی لے چلے شوقِ زیارت جب مدینے کو
مدینے میں نہ کیونکر لہلہائے سبزۂ جنت
ہجومِ خلق اتنا ہے سبب میں نہ مانوں گا
سیہ کارانِ اُمت کے سروں پر ہو گیا سایہ

الف احمدؐ کا میم احمدؐ کا دال آدمؑ میں احمدؐ کا
کہ نقاشِ ازل نے آپ سایہ رکھ لیا قد کا
یہی ہے دُرّۂ تعزیرِ جرمِ شوقِ سجدہ کا
کہ تجھ پر مٹ گیا روزِ ازل سایہ تیرے قد کا
دبایا سنگِ در نے تیرے پہلو سنگِ اسود کا
کہ پھر جائے نظر میں گرد پھرنا تیرے مرقد کا
کہ سایہ چھپ کے اس پردہ میں آیا تھا محمدؐ کا
کہ سبزہ نرگستاں ہو گیا چرخِ زبرجد کا
اُڑایا بوئے گل نے رنگ شاید تیری آمد کا
خضر ہو جائے بڑھ کر ولولہ عشقِ محمدؐ کا
خضر چھڑکاؤ کرتے پھرتے ہیں آبِ زمرد کا
قیامت نے بھی کچھ پرواز اڑایا ہے تیرے قد کا
گیا محشر میں سودائی جو گیسوئے محمدؐ کا

امیر اس روضہ میں پہنچوں تو استغنا ہے اور میں ہوں
جو یہ مقصد روا ہو قصد ہے پھر ترکِ مقصد کا

روحانیت اور روحانی طبیب

"یہ مضمون ہمارے مکرم و معظم دوست جناب میر ہدایت اللہ صاحب امرتسری اسسٹنٹ سرجن جہلم کا عطیہ ہے۔ میر صاحب ممدوح علاوہ خوش خلق جوان صالح ہونے کے سلسلہ نقشبندیہ میں عالیجناب حضرت حافظ حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب علیپوری کے مُرید بھی ہیں۔ اور آپ امرتسر کے رئیس اعظم و جناب میر حبیب اللہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسری کے برادر حقیقی ہیں۔ رسالہ انوار الصوفیہ کو الیسے لائق کرم فرماؤں کی سرپرستی پر فخر ہے"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روحانیت اور روحانی طبیب لکھنے کو صرف ہلکے ہلکے چار لفظ معلوم ہوتے ہیں مگر وہ مضمون جس پر یہ الفاظ حاوی ہیں اتنا مشکل ہے کہ اُس کی پُوری تشریح الفاظ میں ادا ہو ہی نہیں سکتی۔ اِس موقعہ پر میری منشا رُوح کے ثبوت کے دلائل پیش کرنا نہیں اور نہ ہی حقیقت رُوح انسانی پر کچھ لکھنا منظور ہے۔ کیونکہ آیہ کریمہ قل الروح من امر ربی صاف اس طرف دلالت کر رہی ہے کہ اس معمّا کو انسانی عقل حل نہیں کر سکتی۔ ذیل کی چند سطور کے مخاطب ہر دو فریق یعنے رُوح کے ماننے والے اور اس کے منکرین بھی ہو سکتے ہیں ہیں۔ کیونکہ روحانیت کو میں نے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اور اس کا وہی مطلب ہے جو مارس اور اخلاق کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جنکا وجود ہر مذہب و ملّت کے ماننے والے حتّٰے کہ لامذہب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ مضمون ایسا وسیع اور ضروری ہے کہ مجھ جیسے کم علم سے اِس کے متعلق کچھ بھی لکھا جانا مشکل ہے۔ مگر چونکہ ایسے بزرگان دین کی صحبت کا لطف اُٹھا چکا ہوں جن کی برکت سے ایسے خیالات دل میں آتے ہیں اِسلئے جو کچھ لکھا جائے اسے اُنہیں حضرات کا پرتو سمجھنا چاہئیے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

عجائبات عالم یُوں تو دُنیا میں بیشمار ہیں مگر سب سے زیادہ عجیب مخلوق حضرت انسان ہے جو مرکب ہے جسم اور جان سے۔ بعض افعال جیسے چلنا پھرنا کھانا پینا وغیرہ افعال جسمانی کہلاتے ہیں اِن کے علاوہ بعض ایسے اوصاف بھی ہیں جنہیں

لے کہ وہ دوات ... حقیقت ہے

اخلاق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً نیکی۔ نرمی۔ دوستی۔ محبت۔ تسلیم۔ رضا۔ صبر۔ شکر۔ وغیرہ یہ افعال انسان کے قلب یا دل کے متعلق ہیں۔ جسم انسانی کی اس حالت کا نام جبکہ اُس کے تمام اعضا مفوضہ کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیں **صحت** کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جبکہ ان کے افعال یا بناوٹ میں کسی قسم کا فرق پیدا ہو جائے تو اس حالت کا نام **مرض** یعنی بیماری ہے مختلف امراض میں مختلف علامتیں پیدا ہوتی ہیں مگر درد اور بے چینی کی علامت ایسی ہے جو اکثر امراض میں پائی جاتی ہے اور جس کے باعث مریض کی توجہ علاج کی طرف منذول ہوتی ہے۔ گویا درد۔ بےچینی۔ بیقراری اس بات کی علامتیں ہیں کہ جسم کے اعضاء اپنی معمولی حالت سے بگڑ گئے ہیں۔ ایسا ہی روحانی صحت اور مرض کا حال ہے۔ قلب انسانی جب تندرست ہو اُس کے اخلاق حمیدہ ہوں اور دل میں کسی قسم کی بیقراری یا کھلبلاہٹ پائی جائے تو اس حالت کو نفس مطمئنہ اور ایسے دل کو قلب سلیم کہتے ہیں۔ اسی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے۔ "یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم"[۱] اور دوسری جگہ خداوند پاک اس طرح سے خطاب فرماتا ہے۔ "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک"[۲] الایۃ۔ مگر جب کسی باعث قلب انسانی میں مختلف امراض یعنے اخلاق بد پیدا ہو جائیں تو اُسوقت دل مریض سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالت کو قرآن پاک نے بھی مرض کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا"[۳]۔ صحیح الفطرت انسان جونہی اُس میں ان امراض کی علامتیں پیدا ہوتی ہیں اُسیوقت ان کا علاج کراتا ہے۔ امراض جسمانی کے ڈاکٹر ہزاروں اور لاکھوں ہیں اور اُن سب کا مطلب ایک ہے کہ اول تو انسان میں بیماری پیدا ہی نہو۔ اور اگر پیدا ہو گئی ہے تو اُسے حتے الامکان بدن انسان سے دُور کریں۔

جب امراض جسمانی کے واسطے حکیم اور ڈاکٹر موجود ہیں اور اس کے واسطے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ وہ کیوں موجود ہیں کیونکہ اُن کا وجود ہی خود اُن کی دلیل ہے تو عقل کیسے مان سکتی ہے کہ اخلاقی بیماریوں کے لئے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں؟ ہر ایک آدمی یہی کہیگا کہ بیشک اگر امراض روحانی ہیں تو ضرور روحانی طبیب

[۳] اُن کے دلوں میں آزار ہے پھر زیادہ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو آزار

[۱] جس دن نہ کام آوے کوئی مال نہ بیٹی۔ مگر جو کوئی آیا پاس لیکر دل چنگا۔ [۲] اے جی چین پکڑے پھر چل اپنے رب کی طرف۔

بھی بیٹھا ہیں۔ وہ ڈاکٹر کون ہیں؟ یہی گروہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء و صوفیائے کرام۔ یہ سلسلہ کوئی آج کا نہیں بلکہ تب کا جب ہی سے دنیا بنی۔ اور کسی ایک جگہ نہیں بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام میں یہ پاک گروہ گذرا ہے اور اب بھی ایسے طبیب موجود ہیں۔ آیۂ کریمہ "ان من اُمّةٍ الّا خلا فیھا نذیر" اس کی طرف صاف اشارہ کرتی ہے۔ سب سے بعد مگر سب سے افضل حکیم امراض روحانی ہمارے سید و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلعم تھے اور اس اُمت کے واسطے جتنے طبیب یا حکیم ہیں وہ سب کے سب انہیں کے غلام اور نام لیوا ہیں۔

شائد کوئی صاحب یہ خیال کریں کہ مانا کہ امراض رُوحانی ہیں اور اُن کے معالج بھی ہیں تو بھلا جیسے امراض جسمانی کے علاج کی مختلف کتابیں ہیں کیا کوئی مستند کتاب امراض رُوحانی کے علاج کی بھی ہے۔ ہاں بیشک ایک ایسی کتاب بھی ہے جسے ہم "قرابادین الٰہی" کہیں تو بجا ہے۔ یہ کتاب فرقان حمید ہے۔ جس کا خود دعوٰے ہے۔ کہ میں امراض روحانی کے واسطے شفا ہوں۔ وننزل من القراٰن ما ھو شفاء ورحمة للمؤمنین[1]۔ اور "شفاء لما فی الصدور"۔ اس کتاب رحمانی کے اصولوں کے مطابق سب روحانی طبیب عمل کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی مرض ایسی نہیں جس کی دوا درج نہ ہو۔ اس کتاب نے دنیا میں سچی تہذیب و روشنی ڈالی اور اس کتاب کے احکام اب سب قومیں آہستہ آہستہ اپنا دستور العمل بنا رہی ہیں۔ یہی نسخہ کیمیا تھا جس نے مس خام کو کندن بنایا۔ اور اسی قرابادین نے تندرست اور بیمار روحوں کا فرق بتلایا۔

بعض کوتاہ اندیش یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اچھا جب قرآن پاک امراض روحانی کی قرابادین ہے تو پھر ہمیں طبیبوں کی کیا ضرورت؟ کتاب کو پڑھ کر خود اپنا علاج کر لیں گے۔ حضرات یہ غلطی ہے اور ایسی کہ روزمرہ کا تجربہ اس کو غلط ثابت کرتا ہے۔ کیا کوئی شخص کوئی طب امراض جسمانی پڑھ کر کامل طبیب بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا بغیر اُستاد کے کوئی فن حاصل ہوسکتا ہے؟ غیر ممکن۔ کیا بغیر تجربہ کے کامل علاج ہوسکتا ہے؟ محال۔ تو پھر بتلائیے کہ جب امراض جسمانی کے علاج کے واسطے صرف یہی کافی نہیں کہ کتاب پڑھ کر خود علاج کر سکیں۔ بلکہ

[1] اور ہم اتارتے ہیں قرآن سے جو شفا ہے اور رحمت ہے مومنوں کیواسطے۔

اِس بات کی ضرورت ہے کہ کسی تجربہ کار طبیب سے نسخہ لکھوائے۔ تو امراض روحانی کیونکر صرف کتاب پڑھ کر دُور ہو سکتی ہیں۔ شائد چند حالتوں میں ایسا ہو سکے مگر عام طور پر روحانی طبیبوں کی ضرورت ہے۔ خُود قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ ولتکن منکم من امة یدعون الی الخیر۔"

علم طب کا اصول ہے اور بالکل بجا اصُول ہے کہ بیماری کے جاننے سے پہلے طبیب کو اِس بات کا علم ضرور ہونا چاہیئے۔ کہ تندرستی میں اعضاء کے افعال کیا ہوتے ہیں۔ اور کن باتوں پر خیال کرنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آدمی تندرست ہے۔ مثلاً صحیح زبان کی کیا رنگت ہوتی ہے۔ صحت میں دِل کس طرح اور کتنی مرتبہ حرکت کرتا ہے۔ تنفس کی کیا کیفیت ہوتی ہے وغیرہ۔

قرآ یا دین الٰہی میں بھی اُس خالق پاک نے تندرست رُوح یعنے قلب سلیم کی علامتیں لکھی ہیں یعنے اُن لوگوں کے نشان بیان فرمائے ہیں جنکا دل تندرست ہے۔ اور اُن کے واسطے الفاظ "عبادی" "عباد الرحمٰن" اور "مومنون" تجویز کئے ہیں۔ سورۂ فرقان میں خدائے کریم فرماتا ہے۔ "وعباد الرحمٰن الذین" الخ یعنے تندرست روح والے عجز وانکسار کرتے ہیں۔ رات کو عبادت کرتے ہیں۔ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ زنا نہیں کرتے۔ سچی گواہی ہمیشہ دیتے ہیں۔ لغویات سے پرہیز کرتے ہیں۔ وغیرہ۔

دُوسری جگہ سورۂ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے کہ مومنوں کو نجات ہو گئی۔ وہ کون جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ لغو سے اجتناب کرتے۔ زنا کے مُرتکب نہیں ہوتے۔ ایفائے عہد کرتے۔ امانت میں خیانت نہ کرتے وغیرہ۔ سُورۂ شوریٰ اور قرآن پاک میں جگہ جگہ تندرست دِل والوں کی علامتیں درج ہیں۔ غرضکہ جیسا افعال اعضائے انسانی سے صحت یا بیماری کا پتہ لگتا ہے۔ ویسا ہی اخلاق کی نیچر سے رُوحانی صحت یا مرض کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔

متذکرہ بالا بیان سے ناظرین رسالہ ہذا اس بات کو بخُوبی سمجھ گئے ہونگے۔ کہ رُوحانی طبیبوں کی کیوں ضرورت ہے۔ اب چند منٹوں کے واسطے آپ کی توجہ اور طرف لے جاتا ہوں۔ اور دکھلاتا ہوں کہ کس طرح جسمانی اور روحانی امراض

لے اور۔ اچاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت بلانے نیکی کام پر۔

کے علاج کے اصول ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ یہ بات کس پر روشن نہیں کہ حفظ ماتقدّم کا اصول کیساں علیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیماری پیدا ہونے سے پہلے ایسی تدابیر عمل میں لائی جاویں کہ مرض پیدا ہی نہ ہونے پائے۔ اس حفظ ماتقدم پر جسمانی امراض کی کتابوں میں بہت زور دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس اصول کو عمل میں لانے کی از حد تاکید ہے۔ اور اس کے واسطے خدائے کریم نے لفظ "اِتّقا" رکھا ہے۔ مُتقین کی جگہ جگہ تعریف ہے۔ اور تقوےٰ شعاری پر زور دیا ہے۔ ہمارے سیّد و مولےٰ رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ حرام سے بچنا نیکی کرنے سے افضل ہے۔ اور سوچ کر دیکھا جائے تو اِتّقا ہی ایک ایسی عادت ہے کہ جس سے گُناہ کرنے سے آدمی رُک سکتا ہے۔

دُوسرا اصول علاج کے متعلق یہ ہے کہ فاسد مادہ جسم سے خارج کیا جائے۔ اس لئے عموماً مرض کا علاج کرنے سے پیشتر مُسہل دیا جاتا ہے۔ امراض رُوحانی کے طبیبوں نے بھی مُسہل **توبہ** تجویز کیا ہُوا ہے۔ اور جب تک انسان اس مسہل کے اثر سے کامل طور سے مؤثر نہ ہو جائے تب تک گُناہ سے بچنا مُشکل ہے۔ رسُولِ پاک نے فرمایا ہے کہ جس نے کامل طور سے گُناہ سے توبہ کی وُہ ایسا ہے جیسے اُس نے کبھی گُناہ نہیں کیا۔ حدیث شریف التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تو جیسا امراض جسمانی کے علاج میں مسہل ہے ویسا ہی روحانی بیماریوں کے علاج میں بھی مسہل توبہ ہے۔ روحانی مسہل کی قدر کچھ اُنہی لوگوں کو ہے جنہوں نے کامل طور سے اسکا مزہ چکھا ہے۔

قدر ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

پھر مُسہل کے بعد پرہیز کرنا ہوتا ہے۔ رُوحانی طبیبوں نے بھی **پرہیز** تجویز کئے ہیں۔ قرآن شریف کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اور سورۂ لقمان میں ان پرہیزوں کا ذکر ہے۔ وُہ پرہیز کیا ہیں؟ یہ کہ شرک نہ کرو۔ والدین کی بے ادبی نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ اولاد کو نہ مارو۔ اکڑ کر نہ چلو۔ اُونچی آواز سے نہ بولو

غیبت نہ کرو۔ لوگوں سے بے رحمی نہ کرو۔ وغیرہ۔ غرضکہ اصول علاج دونوں میں بہت کچھ مشابہ ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ امراض جسمانی کے علاج و پرہیز تو روز بروز بدلتے رہتے ہیں۔ مگر امراض روحانی کی قرابادین نے صاف فرمادیا ہے۔ کہ الیوم اکملت لکم دینکم اور اس کے علاج اور نسخے جیسے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کارگر تھے ویسے ہی اب بھی ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ پرواہ نہیں کرتے۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اگلے رسالہ میں انشاء اللہ چند باتیں اس متعلق لکھوں گا۔ کہ "روحانی مریض کو کیا کرنا چاہیئے" وما توفیقی الا باللہ۔

میر ہدایت اللہ از جہلم

خدا کی محبت

ماقصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

یہ بات ہر ایک فرقہ اور ملت کے آدمی کے نزدیک مسلّم ہے کہ محبت ضرور ایک چیز ہے۔ اور یہ صرف ایک معمولی سی شئے نہیں ہے بلکہ ایسی ضروری ہے کہ نظام عالم کا بہت کچھ مدار اسی پر ہے یعنے باپ بیٹا۔ بہن۔ بھائی۔ میاں بیوی۔ اُستاد۔ شاگرد۔ پیر و مرید غرض جس قدر تعلقات بنی نوع انسان میں موجود ہیں۔ اور جن پر انسانی ترقی و تہذیب کا دارومدار ہے وہ سب اسی سے وابستہ ہیں۔ بالفرض اگر محبت کو دنیا سے معدوم کر دیا جائے تو عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ موجودہ انتظام عالم قائم نہ رہیگا۔ بلکہ آئندہ نسلیں قطع ہوجاویں گی۔ اور پیدا شدہ نسلیں تلف ہوجاوینگی۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر ماں کے سینہ میں بیٹے کی محبت نہ رہیگی تو وہ اُس کو کیوں پرورش کرنے کی تکلیف گوارا کرے گی۔ رعیت کو اگر اپنے حکام سے محبت

نہ رہیگی تو ملک داری کا انتظام کیونکر قائم رہیگا۔ ایک اودھم سا مچ جاویگا۔ اور ایسا معاملہ درہم برہم ہو جاویگا۔ کہ بس دو ہی دن میں خاتمہ بالخیر۔

غرض محبّت ایک ایسا سلسلہ ہے کہ جس سے انتظام عالم وابستہ ہے۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محبّت سے صرف بنی آدم کے سینے ہی گرم نہیں ہیں بلکہ درندو چرندو پرند بھی اس میں بنی آدم کے ساتھ شامل ہیں۔ چڑیا جو پروں کی مٹھی بلکہ چٹکی ہے۔ اُسی کے گھونسلے میں ہاتھ ڈال دیجیئے کہ بچوں کی محبت اُس کو کس قدر بیقرار کرتی ہے۔ اپنی بے بسی پر خیال نہیں کرے گی اور جہانتک ہو سکیگا آپ پر یہ بات ثابت کریگی کہ ایک ناچیز چڑیا کا سینہ بھی محبت سے خالی نہیں۔ یہ تو محبت جنسی ہے جو ایک جاندار کو اپنی جنس کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جاندار کو غیر جنس کے ساتھ بھی محبّت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ کہہ رہا ہے کہ کتا انسان کی جنس سے نہیں ہے مگر اپنے مالک کے ساتھ اس درجہ کی محبت کرتا ہے۔ کہ جب تک دم میں دم ہے وفا سے مُنھ نہیں پھیرتا۔ ہاتھی کو دیکھ لیجئے کہ باوجود اس قد و قامت کے محبّت نے کچھ ایسا جادو اس کے سر ڈال رکھا ہے کہ مہاوت سے مار بھی کھاتا ہے مگر فرمانبرداری سے جی نہیں چراتا۔ اگر اس معاملہ پر توجّہ کی جاوے کہ کتّے اور ہاتھی کو کس چیز نے انسان کا مطیع فرمان بنایا تو عقل فوراً کہہ دے گی کہ احسان نے۔

غرض احسان ایک ایسی چیز ہے کہ حیوانوں کے ساتھ بھی اگر اسکا برتاؤ کیا جاوے تو وہ بھی اپنے محسن کے ساتھ محبّت کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر انسان باوجود اشرف المخلوقات ہونے اور ہر دم اپنے مالک کی طرف سے بے تعداد احسانات اور عنایات اپنے حال پر دیکھنے کے بھی اپنے مالک کے ساتھ محبّت نہ کرے تو افسوس ہے۔ ہمارے خیال میں اگر انسان اپنے فرائض زندگی پر غور کرے تو اُس کا سب سے پہلا فرض یہ ہوگا کہ وہ اپنے مالک کیساتھ محبّت کرے۔ جب تک زندہ رہے اُسی کی محبت کا دم بھرتا رہے۔ اُس کے دین اور اُس کی مخلوق کی خدمت میں دل و جان سے حاضر رہے۔ اُس کے دوستوں کے ساتھ دوستی رکھے۔ جاں نثاری اور خدمتگذاری کا کوئی دقیقہ اپنی طرف سے اُٹھا نہ رکھے۔ جب مرے

تو اُسی کی محبت میں جان دے۔ تاکہ قیامت کے دِن شہیدان وفا کی صف میں کھڑا ہو۔ معاملہ تو صاف تھا مگر ہماری بے توجہی نے اِس کو پیچیدہ کر رکھا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دِن میں ایک مجلس میں خدا کی محبت پر کچھ مضمون بیان کر رہا تھا۔ اور حاضرین کو خدا کی محبت کی ترغیب دِلا رہا تھا۔ کہ ایک دوست نے برسرِ مجلس میری مخالفت کی۔ اور امکان محبتِ باری سے ہی انکار کر دیا۔ جب میں نے وجوہات اِنکار دریافت کئے۔ تو اُنھوں نے حسب ذیل تقریر کی۔ کہ "محبت الٰہی سے مُراد طاعتِ الٰہی ہے۔ یعنے اگر کوئی شخص نماز روزہ و دیگر احکام الٰہی کو بجا لاوے تو اُسی شخص کو خدا کا محب سمجھنا چاہئے۔ ورنہ خدا اور بندے کے درمیان محبت محال ہے۔ کیونکہ محبت کے پیدا کرنیکے واسطے جنس اور مثال ضروری ہے۔ یعنے جب تک جنس اور مثال مقابل نہ ہو محبت کا پیدا ہونا محال ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات بھی چونکہ جنس اور مثال سے پاک ہے اِسواسطے بندے کی محبت اُس کے ساتھ ناممکن ہے"

اُس دوست کی اِس تقریر سے مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور دِل میں یہ خیال آیا کہ اے خداوند ذوالجلال! ایک جانباز تو تیری محبت میں جلکر خاک ہو گیا اور دُوسرا ابھی پاس کھڑا ہُوا تیری محبت کے عدم اور وجود پر ہی بحث کر رہا ہے مگر دونوں تیرے ہی بندے ہیں۔ کیا شانِ کبریائی ہے۔ خیر کچھ بھی ہو مگر ہمیں اپنے دوست کی رائے سے اتفاق نہیں۔ اور اِس اختلاف کے لئے ہمارے پاس بہت سی وجوہات ہیں۔ اوّل تو اطاعت محبت کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان المحبّ لمن یحب مطیع۔ یعنی محب اپنے محبوب کا ضرور فرمانبردار ہوتا ہے۔ پس جب طاعت محبت کا ثمرہ ٹھیری تو ضرور ہُوا کہ طاعت سے پہلے محبت ہو۔

دُوسری وجہ محبت باری کا اگر اِنکار کر دیا جائے تو بڑے بڑے مقامات مثلاً اُنس۔ رضا۔ شوق۔ لذت مناجات وغیرہ وغیرہ جو محبت کے ثمرے ہیں اُن سے بھی انکار لازم آئیگا۔

تیسری۔ ہمارے پاس شواہد نقلی یعنے آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی واقوال

بزرگان دین اس قدر موجود ہیں کہ اُن کو رو برو رکھ کر امکان محبت باری کے انکار کی ایمان اجازت نہیں دیتا۔

خُداوند کریم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ یحبّھم و یحبّونہٗ یعنے خداوند تعالےٰ اُن کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور وہ اُس سے محبت رکھتے ہیں۔

دُوسری جگہ ارشاد ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حبًّا للّٰہ یعنے جو لوگ ایماندار ہیں وُہ خُداوند کریم کی محبت میں نہایت قوی ہوتے ہیں۔

تیسری جگہ یُوں ارشاد ہے "قل ان کان اٰباؤکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللّٰہ ورسولہ" یعنے اے حبیب پاک کہدو کہ اگر تم کو اپنے باپ اور اپنی اولادیں اور اپنے بھائی اور بیویاں اور خویش واقارب اور پیدا کیا ہُوا مال اور تجارت جس کے بند ہو جانے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارا پیارا وطن تم کو اللہ اور اُسکے رسول سے زیادہ محبوب ہیں تو خدا کے عذاب کے منتظر رہو۔ اس آیۃ شریفہ اور کتب عقاید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی محبت فرض ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر امکان محبت باری سے انکار کر دیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ بندے کا خُداوند کے ساتھ محبت کرنا ممکن ہی نہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ شریعت میں محبت باری کے فرض ہونے کے کیا معنے ہیں۔ کیا خُداوند کریم جل جلالہٗ کی رحیمی اور کریمی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ایک ایسا امر فرض کردے جسکو اُس نے پیدا ہی نہیں کیا۔ اور اسصورت میں لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا (یعنے اللہ پاک کسی نفس کو اُسکی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا) کے کیا معنے ہونگے؟ کیا یہ تکلیف طاقت سے زیادہ نہیں کہ محبت کو پیدا تو کیا ہی نہیں گیا اور بندوں پر اُس کو فرض کر دیا گیا۔ ان سب امور کو چھوڑ کر ہم اصلی بات بیان کرتے ہیں اور وُہ یہ ہے :۔ کہ محبتِ باری عزّ اسمہٗ کی محبت کا وجود بھی ثابت ہے اور وجوب بھی۔ اور حضرت حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور خدا کی محبت کو شرائط ایمان میں سے ارشاد فرمایا ہے۔ دیکھئے حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لا یومن احدکم حتّٰی اکون

احبّ الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین یعنے تم میں سے کوئی بھی کامل ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے باپ فرزند اور سب لوگوں سے بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے۔ ابو زرین عقیلی رضی اللہ عنہ نے ایکدن عرض کی کہ اے اللہ کے حبیب ایمان کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے رسول کو سارے مخلوقات سے بڑھ کر محبوب جانے۔ حدیث کے الفاظ مبارک یہ ہیں۔ ما الایمان یارسول اللہ۔ قال ان یکون اللہ ورسولہ احبّ الیک ممّا سواھما۔

دوسری حدیث میں یوں فرمایا ہے۔ کہ لایؤمن احدکم حتی یکون اللہ و رسولہٗ احبّ اِلیہِ ممّا سواھما۔ یعنی تم میں سے کوئی کامل ایماندار نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کو ساری کائنات سے بڑھ کر محبوب نہ سمجھے۔ اور دوسری حدیث میں محبت کے بارہ میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ احبّوا اللہ لما یغذوکم بہ من نعمہ واحبّونی لحبّ اللہ ایای۔

اور ایک اور روایت میں یوں آیا ہے۔ کہ ایک شخص نے جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی کہ انّی احبّک یعنے میں آپ سے محبت رکھتا ہوں اے خدا کے حبیب؛ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ استعد للفقر۔ کہ اگر تو مجھ سے محبّت رکھتا ہے تو فقر کے لئے تیار رہ۔ پھر اُس نے عرض کی کہ انّی احبّ اللہ۔ یعنے میں خداوند سبحانہٗ کے ساتھ محبّت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا۔ استعد للبلاء۔ کہ بلا کے واسطے تیاّر رہ۔

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ نظر النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم الیٰ مصعب بن عمیر مقبلا وعلیہ اھاب کبش قد تنطق بہ فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم انظروا الیٰ ھٰذا الرجل الذی نوّر اللہ قلبہ لقد رایتہٗ بین ابویہ یغذوانہ باطیب الطعام والشراب فدعاہ حب اللہ ورسولہ اِلیٰ ما ترون۔

اور مشہور خبر میں ہے۔ انّ ابراھیم علیہ السّلام قال لملک الموت اذجاءہٗ لقبض روحہ ھل رایت خلیلا یمیت خلیلہ فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ ھل رایت محبّا یکرہ لقاء حبیبہ فقال یا ملک الموت الاٰن فاقبض یعنے حضرت خلیل

الرحمان ابراہیم علٰی نبینا و علیہ السلام کے پاس حضرت ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرنے کی غرض سے آئے۔ تو حضرت خلیل الرحمان نے فرمایا۔ کہ اے ملک الموت تم نے کبھی کسی دوست کو دیکھا ہے کہ اپنے دوست کو مار دے۔ اُسی وقت حضرت خلیل علیہ السلام پر خدائے کریم کی طرف سے حکم آیا کہ اے خلیل تم نے کبھی کسی محب کو دیکھا ہے جو اپنے محبوب کی ملاقات کو پسند نہ کرے جس وقت یہ حکم آیا اُس وقت حضرت خلیل الرحمان علیہ السلام نے ملک الموت کو حکم دیا کہ الٰہی میری جان قبض کرلے۔ محبّت کامل اِس کو کہتے ہیں کہ جب محب کو معلوم ہو جاوے کہ محبوب کے وصل کا سبب موت ہے تو اُس محب کو موت سے بڑھ کر اور کوئی چیز محبوب نہ ہو۔

حضرت غوث صمدانی شہباز لامکانی محبوب سبحانی امام ربانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ کی طبیعت بیمار ہو گئی تو آپ نے نذر مانی کہ اگر طبیب مجھے یہ کہدیں کہ یہ مرض لاعلاج ہے تو اُس کے شکریہ میں میں پانچسو نوافل ادا کرونگا۔ اِس کو کہتے ہیں محبت اور عشق الٰہی۔

دوسری جگہ حضرت سید المرسلین شفیع المذنبین احمد مجتبےٰ محمد مصطفٰے علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے دُعا کے الفاظ اس طرح منقول ہیں۔ اللھمّ ارزقنی حبّک وحبّ من یحبّک (الحدیث) یعنے اے میرے مولا مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اُس کی محبت بھی عطا کر جو تجھ سے محبت رکھے۔ اور اُس عمل کی محبّت جو تیری محبت سے مجھے نزدیک کردے اور تیری محبت میرے دل میں سرد پانی کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ وجاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ متی الساعۃ قال ما اعددت لھا۔ قال ما اعددت لھا کثیر صلوٰۃ ولا صیام الا انی احبّ اللہ ورسولہٗ فقال لہٗ رسول اللہ صلعم المرء مع من احبّ۔ قال انس رض فما رایت المسلمین فرحوا بشیٔ بعد الاسلام فرحھم بذالک۔ یعنے ایک اعرابی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔

اور عرض کی کہ اے خدا کے رسُول قیامت کب آوے گی۔ آپ نے فرمایا کہ تُو نے قیامت کے لئے کیا توشہ تیار کیا ہے۔ اُس نے عرض کی کہ اے خدا کے حبیب نہ تو مَیں نے اُس دن کے لئے بہت سے نمازیں تیار کی ہیں۔ اور نہ بہت سے روزے رکھتے ہَیں۔ ہاں اللہ اور اُس کے رسُول کی محبّت ضرور میرے سینے میں موجود ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہر ایک آدمی کا حشر اُسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اُس کی محبّت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہَیں۔ کہ مُسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد جس قدر خُوشی جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر ہوئی۔ اِس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

اِس صورت میں اگر نماز و روزہ و دیگر عبادات ہی محبّت الٰہی مُراد لی جاویں تو اُس اعرابی کا یہ کہنا کہ انی احب اللہ و رسولہٗ یعنے مَیں اللہ اور اُس کے رسُول کے ساتھ محبّت رکھتا ہُوں۔ اور اس محبّت کو عبادات سے مستثنےٰ کرنا کیا معنے رکھتا ہے؟ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعت محبّت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ محبّت کا ثمرہ طاعت ہے۔ کیونکہ طاعت کے معنے فرمانبرداری ہے۔ جب کوئی آدمی کسی سے محبّت رکھتا ہوگا تو اُس کا حکم ضرور مانیگا۔ پس جب طاعت محبّت کا ثمرہ ٹھیری تو محبّت کا طاعت سے مقدّم ہونا ضروری ہُوا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ من ذاق من خالص محبۃ اللہ تعالیٰ شغلہ ذٰلک عن طلب الدّنیا۔ واوحشہ عن جمیع البشر۔ یعنی جو کوئی اللہ کی خالص محبّت کا مزہ چکھ لے تو وہ مزا اُس کو دنیا کی طلب سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گُذر ایک مقام پر ہُوا۔ آپ کی تین آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ جن کے جسم بہت دُبلے ہو رہے تھے اور چہروں کی رنگتیں زرد ہو گئی تھیں۔ تو آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ اے یارو تمہاری یہ حالتیں جو میں دیکھ رہا ہوں۔ کس وجہ سے ہو گئیں اُنہوں نے عرض کی کہ اے روح اللہ ہم دوزخ کے عذاب سے ڈرتے ڈرتے اِس حال کو پُہنچ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ڈرنے والوں کو اللہ اماں دیتا ہے

وہاں سے آپ آگے تشریف لیگئے تو آپ نے اور تین آدمی دیکھے جن کے جسم پہلے تین آدمیوں سے بھی زیادہ دُبلے ہو رہے تھے۔ اور چہرے کے رنگ بھی زیادہ زرد ہو رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام نے اُن سے بھی اُن کی حالتوں کا سبب دریافت فرمایا۔ تو اُنھوں نے عرض کی کہ جنت کے شوق میں ہماری یہ حالت ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ امیدواروں کی اُمیدیں برلاتا ہے۔ پھر آپ نے اور تین آدمی دیکھے۔ جن کے جسموں پر گوشت بھی نہ رہا تھا۔ اور پہلے آدمیوں سے کہیں زیادہ ان کی حالتیں نازک ہو رہی تھیں اُن سے آپ نے اُنکی کمزوری کا سبب دریافت فرمایا۔ تو اُنھوں نے عرض کی کہ یا روح اللہ ہماری یہ حالتیں اللہ سبحانہ کی محبت میں ہو گئی ہیں۔ تو آپ نے نہایت خُوش ہو کر فرمایا۔ کہ تم مُقرّب ہو تُم مقرّب ہو۔ تُم مُقرّب ہو۔

اور حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک آدمی کو دیکھا جو برف میں کھڑا تھا۔ اور مَیں نے اُس سے دریافت کیا۔ کہ تمھیں سردی معلوم نہیں ہوتی۔ اُس نے کہا کہ جو کوئی خدا کی محبت سے سرشار ہے سردی کو اُس سے کیا کام؟ اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دِن عام اُمت کے لوگ اپنے پیغمبروں کے نام پر پُکارے جاویں گے۔ چنانچہ پُکارا جاویگا۔ کہ اے اُمّتِ عیسےٰ علیہ السّلام۔ اے اُمّتِ مُوسیٰ علیہ السّلام۔ اے اُمتِ محمدؐ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔ مگر جب اولیاء اللہ کی نوبت آوے گی تو اُن کو اِس طرح سے پُکارا جاویگا۔ کہ یا اولیاء اللہ ھلمّوا الی اللہ سبحانہٗ۔ یعنے اے خُدا کے دوستو! خُداوند سبحانہٗ کی طرف چلے آؤ۔ تو اُس وقت گروہ مُقدّس اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خُوشی سے یہ حالت ہو گی کہ گویا اُن کے دِل خُوشی کے مارے سینوں سے باہر نکلے پڑتے ہیں۔

اور حضرت یحیٰے بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اگر ایک رائی کے دانہ کے برابر ہو تو میرے نزدیک ستّر سالوں کی اُس عبادت سے افضل ہے۔ جو بغیر محبّت کے ہو۔

یہ مختصر اقوال صوفیائے کرام و صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین و احادیث نبوی علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و آیات قرآن کریم ہیں۔ جو میں نے اثبات محبت خداوند سبحانہ میں تحریر کئے ہیں۔ ایسے ایسے شرعی دلائل کی موجودگی میں محبت الٰہی کے وجود کا انکار ہم کیونکر کر سکتے ہیں۔ اور محبت سے طاعت کس طرح سے مراد لے سکتے ہیں۔ میرا مدعا یہ ہے کہ محبت الٰہی کا وجود بھی از روئے شریعت عزا ثابت ہے۔ اور اس کا وجوب بھی۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی تو اب حقیقت محبت" کی نسبت بھی آئندہ رسالہ نمبر ۶ میں کچھ عرض کرونگا۔

ظفر علی ایڈیٹر

" ذیل کا مضمون جو خود ہی ظاہر کر رہا ہے کہ میں کسی صوفی باکمال کی زبان و قلم سے نکلا ہوں ہمارے فخر صوفیا جناب مولانا مولوی محمد ذاکر صاحب بگوی ادام اللہ برکاتہم کا عطیہ ہے امید ہے کہ ناظرین اس [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۵

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

ذات حق بے چون بے چگون کی سطوت اور ہیبت سے اولیاء کے مشاہدات اور کشوف اس کے آستانہ پر سر بسجود ہیں۔ اور انبیاء کے ارواح اور قلوب پروانوں کی مانند اس کی شعاعوں میں قربان ہیں۔ پس ناچیز مشت خاک کو یہی مناسب ہے کہ اس کی تعریف میں اسی کی کلام پاک میں سے آیات حمد و ثنا کو ورد زبان کرے۔ فالحمد للہ رب العٰلمین ۵ الرحمٰن الرحیم

اور اس کے حبیب سرور عالم فخر بنی آدم کی معلے بارگاہ میں ناپاک زبان کو کیا طاقت ہے۔ کہ سوائے صلوٰۃ و سلام رب الارباب کے کوئی ہدیہ پیشکش کر سکے۔ فصلی اللہ علیہ وآلہ واتباعہ واحبابہ اجمعین

امّا بعد خاکسار کمترین بندگان درگاہ شمسی خریدہ نقد نگاہ بردہ تبسم دلخواہ حضرت قطب العالم مقتداء بنی آدم ماحی البدعۃ والضلالت محی السنۃ والجماعۃ شیخ العصر مرشد الدہر ۵

سراپا حسن در عالم یگانہ — ندیدہ مثل او چشم زمانہ
بصورت آفتابِ عالم افروز — بسیرت ہم ازو آں بہرہ اندوز
درو جمع آمدہ اوصافِ حمیدہ — بروشد ختم اخلاقِ گزیدہ
بہ نیرنگی عجب رنگیں مزاجے — بہ بے پروائی الفت امتزاجے
رخش آئینۂ انوارِ قدسی — دلش گنجینۂ اسرارِ قدسی
ہدایت لمعۂ نورِ چراغش — ولایت نکہتِ ریحان باغش
بشہر عقل میرِ خاندانے — بہ بزمِ عشق شمعِ دودمانے
عجائب ہدیۂ از مخزنِ غیب — بغائت تحفۂ از کنزِ لاریب
لبش را باتبسم ہمعنانی — کلامش ہست جملہ دُرفشانی
ادا فہمی طریق نکتہ دانی — فصاحت ترجمانی خوش زبانی
تواضع خوے دلجوئیش عادت — برائے خلق رنج خود عبادت
بہ تمکیں کوہ اندر علم دریا — برحمت ابر و در رفعت ثریا

خواجہ محمد دین سیالوی متع المسلمین بطول ابقائہم ؎

بقا بادش چو عمر نوح بل بیش — کہ خورسند است زاں بیگانہ و خویش

ناظرین کی خدمت بابرکت میں کمال ادب ونیاز عرض پرداز ہے کہ حسب مضمون آیۃ شریف لِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (ہر ایک کے لئے ایک طرف ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتا ہے) سالکانِ طریقت اور حاجیانِ کعبۂ حقیقت کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مقصود حقیقی کے صفات غیر متناہی ہیں۔ ایسا ہی توجہات عشاق ذاتِ باری کا بھی انتہا نہیں۔ کوئی تو تمام مقصود پر جان فدا کر رہا ہے اور کوئی صفات کے خیال میں غرق ہے۔ اور کوئی فرمانبرداری پر کمر بستہ ہے۔ اور کوئی طہارت ظاہری و باطنی میں مصروف ہے۔ کوئی اندوہ نایافت میں پُردرد۔ اور کوئی عنایت ورحمت کے تصور میں مسرور اور کوئی اُس کے محبوبین کے جمال میں ماسواء حق سے غافل۔ علیٰ ہذا القیاس جو کچھ ازل میں کسی کا طریق وصول مقرر ہو چکا اس میں سرپٹ دوڑنا اور ادھر اُدھر آنکھ نہ اُٹھانا اس کا فرض ہے ؎

چو دل با دلبرے آرام گیرد — بوصلِ دیگراں کے کام گیرد

ایک روز حضرت محبوبِ الٰہی سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے"۔ حضرت امیر خسرو جو آپ کے جانباز عاشق تھے مجلس گرامی میں موجود تھے۔ آپ نے اسی وقت ایک مصرع فی البدیہہ بنا کر حضرت خواجہ کی ٹوپی مبارک کی طرف (جو اتفاقاً اس روز ٹیڑھی ہوئی ہوئی تھی) اشارہ کر کے عرض کیا ؎

ما قبلہ راست کردیم بر سمت کجکلاہے

ایسی حالت میں سالک کو اپنے شغل کے سوا سب کچھ حجاب معلوم ہوتا ہے خواہ وُہ فی نفسہ اچھا ہی ہو۔ حضرت محبوبِ الٰہی سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز اپنی طالبعلمی کا زمانہ یاد فرما کر علمی شوق اور کتب بینی کا ذکر فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اب یعنے بعد بیعت حضرت شیخ الشیوخ قطب الاقطاب فرید الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ یادِ حق اور باطنی مشغولی کے باعث کسبی علوم فراموش شدہ معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کسی مسئلہ کی ضرورت سے کوئی دینی کتاب دیکھی جاتی ہے۔ تو سوا ضروری مسئلہ کے باقی حجاب معلوم ہوتا ہے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے چشم پُرآب ہو کر فرمایا۔ سبحان اللہ جب اپنوں کا یہ حال ہے۔ تو بیگانوں کی گنجائش کہاں یعنے مطالعہ علم دین جو سراسر نور و برکت ہے شغل باطنی میں حارج ہے۔ تو دوسرے علوم و اشغال طالبِ حق کیسے نبھا سکتا ہے۔ سال حال کے جلسہ نعمانیہ کے دعوتی رقعہ کے جواب میں ہمارے پنجاب کے جامع الشریعۃ والطریقۃ عالم اکمل فاضل اجل دُرِّ دریائے تجرید و تفرید حضرت قاضی سلطان محمود ادام اللہ برکاتہم نے بکمال انکسار سے (جو کہ خاصۂ اربابِ خصوص ہے) تحریر فرمایا ؎

ہزار گرچہ چراگاہ خوشتر از میدان — ولیک اسپ دارد بدست خویش عنان

کوئی سادہ لوح جس کو اہلِ باطن کے حالات سے پوری واقفی نہ ہو۔ شائد اس بیان سے خیال کرے کہ ہر مسلمان کو ایسا ہی کرنا ضروری ہے۔

نہیں یہ حالات ایسی ہیں جو دِل پر وارد ہوتے ہیں۔ سالک کو ان باتوں پہ مجبور

کرتے ہیں۔ ورنہ بغیر مجبوری کے ہر وقت کے الگ الگ عمل ہیں۔ ان کا لحاظ رکھنا ہر ایک آدمی کو ضروری ہے۔ اکثر غلط فہمیں اسی سبب سے ہوئی ہیں۔ کہ ناقصین نے اپنے آپ کو کاملین پر قیاس کیا۔ حالانکہ ہر ایک کا ان میں سے زمین و عرش کا فرق ہے۔ ہاں ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ محبتِ الٰہی اعلیٰ نعمت ہے۔ جس قدر اسمیں استغراق ہو۔ سعادت بر سعادت ہے۔ جو امر سالک کو اس مستی کے خلاف معلوم ہو۔ اس سے احتراز کرنا عقلاً طبعاً شرعاً ضروری ہے۔ لیکن مخالف اور موافق میں تمیز کرنا اہل کشف کا کام ہے مبتدی کو اسمیں پیر کے ارشاد کی تعمیل کرنی چاہیئے۔

بنا بریں چونکہ خاکسار نابکار کو جب سے حضور قبلہ عالم سیالوی (روحی فداہ) کی خاکبوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ سوا ملفوظات مشائخ و ذکر شیرین حضرت قبلہ عالم کوئی شغل باعث فرحت دل حزیں معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے مضامین نویسی و تقریر آرائی سے اکثر طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ اور حتے الوسع ان سے طبعاً احتراز رہتا ہے۔ اب بارہا چونکہ جامع الشریعۃ والطریقۃ داعی الخلق الی الحق قیم طریقہ مجددیہ مکرمی محسنی حضرت حافظ سید **جماعت علیشاہ** صاحب ادام اللہ فیضہم و برکاتہم نے بندہ کو فرط شفقت و عنایت سے فرمایا کہ اہل تصوف کے متعلق کچھ تحریر کرنا چاہیئے۔ لہذا بندہ نے تعمیلاً ارادہ کیا ہے کہ چند مسائل تصوف از روئے عقل و شرع تحریر کئے جائیں۔ جن سے عام خیالات کی اصلاح ہو۔ اور حتے الوسع ہر ایک مسئلہ کے متعلق اپنے مشائخ کبار کے ملفوظات میں سے کلمات مقدسہ لکھ کر خود محظوظ ہو کر ناظرین کو بھی اس حظ میں شریک کرنے کی کوشش کرے۔ گو مضمون پریشان عبارت میں ہوگا لیکن اُمید ہے کہ اہل دل کو علاوہ فوائد علمی کے انفاس طیبہ مشائخ کی خوشبوئے معطر فرمائیگا۔ واللہ ولی التوفیق وبہ العروج الی ذروۃ التحقیق۔

کیا ایمان و اسلام و اعمال صالحہ و مناہی سے پرہیز کے علاوہ بھی کوئی عمل ہے جو عند اللہ

قرب کا باعث ہوتا ہے؟

مخلوقات الٰہیہ میں فکر کرنے والوں کا اتفاق ہے کہ فطرتی لطیفے جو اجزائے عالم میں متفرق ہیں۔ انسان میں بصورت مجموعی جلوہ گر ہیں۔ ہر ایک لطیفہ کے کمالات کا جس قدر کامل ظہور ہو۔ اتنا ہی انسان زیادہ کامل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شرعاً اس میں دو قسم کے کمال معتبر ہیں۔ ظاہری و باطنی دونوں پر قرآن و سنت اور عقل سلیم شاہد ہیں پہلے ظاہری کمالات جن پر انسان کی اُخروی نجات موقوف ہے۔ اور وہ قرآن شریف اور حدیث سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق تمام شرعی امور کو تسلیم اور اعتقاد کرنا اور حسب ہدایات شرعی تمام فرائض سنن و مستحبات کو ادا کرنا اور تمام منہیات سے بچنا ہے۔

جیسا کہ سورۂ الٓمٓ کی ابتدائی آیات شریفہ میں انہیں کمالات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ان پر بطور نتیجہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (وہی لوگ نجات پانے والے ہیں) مرتب ہوا ہے۔

دوسرے وہ کمالات ہیں جن سے اللہ جلّشانہ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ[۱] سے ظاہر ہے۔ کیونکہ محسنین کے مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو کمالات نمبر اول کے علاوہ کسی خاص حالت کو حاصل کریں جس کے باعث تمام اہل ایمان اور صالحین سے ممتاز ہوں۔ اور خاص قرب کے خلعت سے خداوند عالم کی جناب میں مشرف ہوں۔

یہ دعوے طالب حق کے لئے مفصلہ ذیل دلائل سے واضح ہوسکتا ہے:۔

پہلی دلیل صحیح بخاری میں (جو بعد از کتاب باری تمام کتب حدیث میں جمہور ائمہ نے زیادہ صحیح مانی ہے) حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیگئی ہے کہ ایک اجنبی آدمی نے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا۔ کلمہ شہادت۔ نماز۔ زکوۃ روزہ ماہ رمضان۔ حج بشرط قدرت۔ اس نے عرض کیا۔ کہ آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اس سے تعجب ہوا۔ کہ خود ہی سوال کرتا ہے۔ اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔ پھر

۱؎ بیشک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

سوال کیا۔ کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کتاب اللہ۔ ملائکہ و رسل۔ روزِ قیامت کا ماننا۔ اور تمام نیک و بد کا خالق اسی کو سمجھنا۔ اس نے عرض کیا کہ سچ فرمایا۔ اس نے پھر سوال کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کی اس طور پر عبادت کرنا کہ گویا خدا تعالیٰ کا دیدار ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اتنا خیال رکھنا کہ وہ دیکھ رہا ہے۔ آخر مجلس میں حضور نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھا جو تمہیں تعلیم دینے آیا تھا۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ عقائد اور اعمال کے علاوہ ایک کمال ہے جس کو احسان کہتے ہیں۔ اس کا نام ولایت اور تصوف ہے۔ کہ صوفی پر جب محبت الٰہی غالب ہوتی ہے۔ (جس کو اصطلاح تصوف میں فناء القلب کہتے ہیں) اسکا دل محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں ایسا مصروف ہوتا ہے کہ سوائے ذاتِ حق کے کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ کیا خوب کہا ہے اسیری نے ؎

اسیری عاشقانِ مست دیدار   زلذاتِ دو عالم یاد نارند

بظاہر کاروبارِ دنیاوی میں عام لوگوں کی مانند شاغل معلوم ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ ملاقات کرتا ہے۔ مجلس میں مختلف امور کی نسبت تقریر کرتا ہے۔ لیکن اندرون اس کا محبوب حقیقی کے سوا کسی بات پر متوجہ نہیں ہوتا۔ اس کی حالت بظاہر مشتبہ ہوتی ہے۔ ظاہر بین لوگ اس کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں۔ اور اہل بصیرت جن کو اس کی روشنی سے ذرہ بھی پہنچ چکا ہے اُس کی ہر حالت میں نورِ مشاہدہ محسوس کرتے ہیں۔ اور حسب استعداد روحانی غذائیں پاتے ہیں۔

الحق خاکسار نے سیدی مرشدی حضرت قبلۂ عالم سیالوی ادام اللہ برکاتہم و افاض علینا من نعمائہم کی مجلس مقدس میں بچشم خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات عام لوگوں سے آپ ان کے دنیاوی امور کی نسبت گفتگو فرماتے ہیں۔ اور ایسی طرز سے تقریر ہوتی ہے کہ جس میں اہل ظاہر کو کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ لیکن چہرہ مبارک کے محبوبانہ حرکات اور پُر ناز غمزے اور حق بین آنکھوں کی سرخی وغیرہ آثار نعمت باطنی طالبانِ حق کے آئینہ حق نما کا کام دے رہے ہوتے ہیں۔ میرے ایک لائق نوجوان بی اے دوست نے جب حضور کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو اتفاقاً حضور بے تکلف ظریفانہ گفتگو فرما رہے تھے۔ اس نے بعد اختتام مجلس خاکسار

سے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ کہ جناب حضرت صاحب کی تقریر ایسی تھی کہ جس سے ظاہری خیال یہی ہو سکتا ہے کہ آپ اسوقت دنیاوی شغل میں مصروف ہیں لیکن آپ کے چہرہ مبارک کے انوار نے مجھ جیسے ناآشنا کو بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ آپ کا بال بال مشاہدۂ حق میں مستغرق ہے۔ الحق ؎

یار ما چوں آب در ہر رنگ شامل مے شود

تشریح لفظ مشاہدہ مشاہدہ کے لفظی معنے دیکھنا ہے۔ اور اہل تصوف کی اصطلاح میں وہی دل کی خاص حالت مراد ہے جسپر حدیث شریف میں احسان کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس حالت میں توجہ الی اللہ چونکہ دیکھنے کے مشابہہ ہوتی ہے۔ اسلئے عموماً اس کو دیدار یا مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اجیعوا بطونکم دعوا الحرص واعروا اجسادکم وقصروا الامل واظماء اکبادکم دعوا الدنیا لعلکم ترون اللہ بقلوبکم یعنے اگر تم کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے متعلق حد اعتدال کو نگاہ رکھو اور حرص اور دنیا کی خواہشات رذیلہ کو چھوڑ دو تو امید ہے کہ تم اپنے دلوں کے آئینہ میں نور الٰہی دیکھنے لگو گے۔

دوسری دلیل۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدن انسان میں ایک پارۂ گوشت ہے اگر وہ درست ہو جائے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے۔ اور اگر فاسد ہو تو تمام بدن فاسد ہوتا ہے۔ اور وہ دل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دل کی وہ خاص حالت جس کو صلاح بدن لازم ہے۔ ایمان واسلام اور اعمال صالحہ کے علاوہ ہے۔ جسے اہل تصوف فناء قلب کہتے ہیں۔ اس سے تمام بدنی خباثتیں رفع ہوتی ہیں۔ اور روحانی کمالات کے دروازے کھلتے ہیں۔ نغز (؟) کشتیں جو کسی بزرگ نے اس شعر میں بیان فرمائے ہیں ؎

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ ۔۔۔ دہ چیز بروں کن از درون سینہ
حرص و امل و غضب دروغ وغیبت ۔۔۔ بخل و حسد و ریا و کبر و کینہ

خود بخود زائل ہو جاتی ہیں اور اوصاف حمیدہ جسپر روحانی ترقی کی بنا ہے روشنی آفتاب کی طرح بے ساختہ پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ کسی بزرگ کا ارشاد ہے ؎

خواہی کہ شوی بمنزلِ قربِ مقیم | نہ چیز بنفسِ خویش فرما تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم یقین | تفویض و توکل و رضا و تسلیم

پس غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوصافِ حمیدہ صرف ایمان ہی سے (جو صرف مان لینا شریعت کا ہے) اور اعمالِ صالحہ وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ صرف ان اوصاف کو سمجھ لینا کافی ہے۔ بلکہ غلبۂ محبت الٰہی اور روشنی جمال نامتناہی کا ظہور قلب کو ایسا پُر کرے۔ کہ ان اوصاف کے خلاف بُری صفتوں کی جگہ نہ رہے۔ اِس کی تشریح واضح طور پر یُوں ہو سکتی ہے۔

تمام اوصاف حمیدہ کا جاننا اور ضروری العمل سمجھنا اور انکا عمل میں لانا شریعت ہے۔ جیسا کہ تمام اسلامی دنیا اس کو سمجھ سکتی ہے۔ اور بے تکلف بنانے کی کوشش کرنا۔ طریقت ہے۔ اور تمام بُری حالتوں کا زائل ہونا اور صفات حمیدہ کا بے تکلف موجود ہونا حقیقت ہے۔ مثلاً ایک شخص جھوٹ سے پرہیز کرے۔ لیکن اس کے دِل میں اس کی رغبت ہو۔ تو وہ بظاہر شریعت کا پابند ہے۔ اور اگر دِل کی رغبت رفع کرنے کی کوشش کرے۔ تو وہ طریقِ الٰہی کا چلنے والا ہے۔ اور جب اس کو جھوٹ سے ایسی پرہیز حاصل ہو۔ کہ نہ اُس کے دِل میں رغبت رہے اور نہ اس کی زبان پر کسی حالت میں جاری ہو تو وُہ صاحبِ حقیقت ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ تینوں درجات عام اہل ایمان کو جو اعمال صالحہ بھی کرتے ہیں حاصل نہیں ہیں۔ بلکہ پہلا درجہ بھی بہت ہی کم افراد کو نصیب ہے۔ پس وُہ قلبی حالت جس سے بے تکلف یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ وُہی فناء قلب ہے۔ جو اہل تصوف پیران عظام کے صدری انوار سے حاصل کرتے ہیں۔ اور ان تمام اوصاف سے بے تکلف موصوف ہوتے ہیں۔ حضرت مولانائے رُوم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ را جامہ ز عشقش چاک شد | او ز عیب و حرص کُلّی پاک شد

پیران عظام کی جناب میں نہ ظاہری وعظ ہوتا ہے۔ اور نہ زبانی ترغیب صرف دیدار سے ہی اہل سعادت جن کو ان کی روحانیت سے ازل میں مناسبت ہو چکی ہے۔ تمام باطنی نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور ارشاد سرورِ عالم مطابق

تمام صوفیہ کرام کی توجہ سب سے پہلے اسی حالت قلب کی اصلاح پر ہوتی ہے جس کے حاصل ہونے سے بدن کی حالت خود بخود درست ہوتی ہے۔ طالب حق اس کی شہادت مستفیضان صوفیہ کرام کے حالات سے لے سکتا ہے۔ صدہا اوباش مزاج اشخاص کو ہم نے دیکھا ہے کہ جنکے قلب پر کسی صوفی صافی کی نظر عنایت ہوئی ہے۔ خود بخود طبعاً تمام بُری باتوں سے محترز ہو گیا اور اعمال حسنہ میں شاغل بنا۔ ایک انگریزی خوان نوجوان نے حافظ الشریعۃ والطریقۃ حضرت حافظ سید **جماعت علیشاہ** ادام اللہ برکاتہم کی بیعت کی۔ اور چند دن اس کے بعد ایک عریضہ ان کی خدمت میں لکھا۔ جس کا ایک شعر جو مدعا مذکور کی کافی شہادت دیتا ہے۔ اور اس سعادتمند کا سوز قلب جو اسے پیر کی عنایت سے حاصل ہوا ظاہر کرتا ہے۔ ہدیۂ ناظرین ہے ؎

جانتا تھا کون شب بیداریاں دُور کر دیں تُو نے سب بیماریاں

اور حضور قبلۂ عالم سیالوی (روحی فداہ) کی جناب پاک میں ہزارہا ناخواندہ جاہل دہقان مزاج درشت طبع حاضر ہوتے ہیں۔ اور صرف دیدار پر انوار سے رنگ الٰہی میں رنگے گئے ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ کہ ایک دہقان چوری پیشہ کسی سخت مقدمہ میں مبتلا ہوا۔ اور اس کی چارہ جوئی میں حضور کی قدمبوسی سے مشرف ہو کر بزمرۂ غلاماں داخل ہوا۔ لیکن بباعث ہیبت اصل غرض ظاہر نہ کر سکا۔ اور حضور نے بھی دریافت نہ فرمایا۔ دوبارہ اسی غرض سے حاضر ہوا۔ پھر بھی ویسا ہی دہشت جلال مبارک کے باعث عرض نہ کر سکا۔ دو روز دربار عالی میں رہکر چلا گیا۔ اب سہ بارہ مقدمہ کی ہولناک حالت دیکھ کر اور دنیاوی معاملات کی تنگی سے سوختہ جگر ہو کر جناب میں حاضر ہوا۔ اس دفعہ حضور نے اس سے کمال محبوبانہ انداز سے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ اور کہاں کے رہنے والے ہو۔ اس دل جلے نے (جو کہ پیشتر ہی مصیبت زدہ تھا اور نازآمیز خطاب سے اور زیادہ جلگیا تھا) عرض کیا۔ کہ ایک چوروں کا گاؤں ہے۔ بندہ وہاں کا رہنے والا ہے۔ حضور نے تبسم فرما کر پوچھا۔ کہ کبھی تم نے بھی چوری کی ہے۔ اس نے چشم پُرآب ہو کر عرض کیا۔ کہ اس سارے علاقہ میں میرے جیسا کوئی بدمعاش نہیں۔ حضور نے اس کی عاجزانہ التماس کے جواب میں سر مبارک ہلا کر فرمایا کہ اللہ کرم کرے۔ بس یہی نظر عنایت اس کو کافی ہو گئی

اِس کا مُقدمہ حسب دِلخواہ اِس کے فیصل ہُوا۔ اور خُود وُہ تمام برے افعال سے تائب ہُوا۔ تمام چوری کے مال اپنے واپس کر دئے۔ اور اَوراد و ظائف جس سے وُہ کوسوں دُور تھا۔ پڑھنا شروع کئے۔ سبحان اللہ! ؎

غمزۂ تو مے فریبد زاہد صد سالہ را موئے پیشانی گرفتہ پیش خمار آورد

تیسری دلیل۔ اصحاب کہف کی تعریف میں قرآن شریف میں وارد ہے۔ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ وَزِدْنٰھُمْ ھُدًی وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ اِس کی تفسیر میں حضرت شیخ علی مہیمی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ جوان تھے جو اپنے پروردگار کے ساتھ ایمان لائے۔ اور نور باطن کی ہدایت اس سے علاوہ ان کو عطا ہوئی اور ان کے دِل مضبوط کئے گئے۔

اب ظاہر ہے۔ کہ وُہ ہدایت خاصہ جو ان کو علاوہ ایمان کے عطا ہوئی۔ اعمال صالحہ وغیرہ کمالات ظاہریہ کے سوا ایک باطنی کمال ہے۔ جسے ولایت اور فناء القلب وغیرہ الفاظ متعارف اہل تصوف سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

چوتھی دلیل۔ کلام الٰہی میں اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا۔ اے ایمان والو۔ ایمان لاؤ۔ یہ پیارا خطاب ثابت کر رہا ہے۔ کہ مخاطبین کو شرعی ایمان جس پر نجات اُخروی موقوف ہے۔ اور بظاہر جس سے اسلامی احکام مُرتب ہوتے ہیں۔ حاصل تھا۔ باایںہمہ انکو ایک دُوسرے ایمان کی تکلیف دی گئی۔ جو زیادہ قرب الٰہی کا باعث ہے۔ پس طالب حق صاف سمجھ سکتا ہے۔ اِس ایمان سے وہی باطنی حالت قلب مراد ہے۔ جو اسلام اعمال صالحہ کے علاوہ اہل قرب کو حاصل ہوتی ہے۔

پانچویں دلیل۔ احادیث صحیحہ اور اجماع اُمتِ اسلامیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا رتبہ باقی افراد اُمت سے بدرجہا برتر ہے۔ کوئی ولی خواہ کتنا ہی مُقرب ہو صحابی کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا۔ اِن کے ایک عمل کا باقی اُمت کے بے شمار اعمال مقابلہ نہیں کر سکتے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اگر دوسرا شخص جبل اُحد جتنا سونا خرچ کرے تو وُہ جَو کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو کہ صحابی نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تفاوت اعمال و ایمان میں نہیں ہے۔

بلکہ صرف اسی نورِ باطن کے باعث ہے۔ جو ان کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل ہوا۔ گو باقی اولیاء کو بھی پیرانِ عظام کے پاک سینوں کے ذریعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے انوارِ صحبت ملے ہیں۔ لیکن بالواسطہ اور بلاواسطہ میں فرق ہے۔

پس ثابت ہوا کہ سواء کمالات ظاہری ایک باطنی کمال بھی ہے۔ جس کے درجات متفاوت ہیں۔

چھٹی دلیل۔ انسانی فطرت شاہد ہے کہ کسی مسئلہ کا علم جیسا کہ عقلِ سلیم کے غور و فکر اور مشاہدہ صریح سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسا ہی خبر متواتر سے۔ کہ جس کا عقلاً جھوٹا ہونا ممکن قبیل محالات ہے۔ پختہ یقین حاصل ہو سکتا ہے پس جبکہ زمانہ رسالت سے آج تک گروہ عظیم کی شہادت چلی آتی ہے۔ کہ ان کو پیرانِ عظام کی صحبت میں علاوہ اعمال صالحہ یا تقویٰ وغیرہ کمالات کے جو ان کو پیشتر حاصل تھے۔ ایک ایسی حالت باطنی نصیب ہوئی جس سے شریعت حقہ کے اسرار مکشوف ہوئے۔ اور محبتِ الٰہی و دوام ذکر و صفائی قلب نصیب ہوئی۔ اور ان تمام فاسد خیالات سے رہائی حاصل ہوئی جو عام اہل ایمان کے اوقات کو مشوش رکھتے ہیں۔ تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام و اعمال صالحہ کے علاوہ بھی باطنی کمال ہے جو اہل اللہ کی خدمت میں اہل سعادت کو نصیب ہوتا ہے۔

میرے شیخ صحبت وارث نسبت مجددیہ مظہر انوار قیومیہ عمی و استاذی حضرت مولانا غلام محمد ؒ نگوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایام طفولیت سے ذکر فکر کی طبیعت عادی ہے اور وظائف و اعمال میں مصروفیت رہی ہے لیکن جب سے تاج الفقراء اکمل الکاملین حضرت باباجی تیراہی لحاظوی سے شرف بیعت حاصل ہوا ہے۔ تلاوتِ قرآن نوافل وغیرہ وظائف میں نئی روشنی اور تازہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ خصوصاً درود شریف کی تعداد جو آپ نے فرمائی ہے اسمیں جو حظ اور ذوق شوق حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ پڑھنے میں محسوس نہیں ہوتا۔

قدوہ ارباب استقامت زبدہ اصحاب کرامت سیاح دریاء محبت سیاح بادیۂ مودت فانی فی اللہ حضرت مولانا مولوی معظم الدین صاحب مرولوی ادام اللہ برکاتہم

نے (جو حضرت شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعظم خلفاء میں سے اس تاریک زمانہ میں مشائخ سلف کی یادگار ہیں) خاکسار کو فرمایا کہ میں نے اٹھارہ سال کا عرصہ کمال عرقریزی تحصیل علوم دینیہ میں صرف کیا اور اس قدر مطالعہ میں استغراق پیدا کیا۔ کہ اخیر کے دو سال اکثر نماز عشا کے بعد نماز صبح تک تمام رات مطالعہ میں گذر جاتی۔ اور لذت مطالعہ کے باعث درازی وقت معلوم نہ ہوتی۔ جس ہی کہ اذان صبح سننے سے تعجب ہوتا۔ کہ ابھی نماز عشاء پڑھی تھی۔ اور ابھی صبح ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ اس قدر استغراق سے دینی اسرار کس قدر ظاہر ہوتے ہونگے۔ لیکن جب حضرت قبلہ عالم شمس العارفین کی بارگاہِ عالی میں مشرف ہُوا۔ تو ایک لحظہ کی صحبت سے جو کچھ حاصل ہُوا۔ اس کے مقابلہ میں ان تمام علوم کا ماحصل ہیچ معلوم ہُوا۔

الغرض زمانہ رسالت سے آجتک ایک مقدس گروہ باطنی کمالات کا شاہد ہے جیساکہ رشحات نفحات۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ملفوظات خواجگان چشت کے مطالعہ سے ظاہر ہے کمالات باطنی اور اہل باطن کی تعریف میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ علماء صوفیہ حکما محدثین فقہا متکلمین تمام اہل کمال کے مانے ہوئے ہیں اور جنکی تحریریں آجتک ہدایت بخش خاص و عام ہیں اور زمانہ حال کے یورپین فلاسفہ نے بھی ان کے کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ اور وہ حضرت ابو محمد فارمدی کے مُرید ہوئے ہیں) (المنقذ من الضلال) میں اپنے ابتدائی حالات بیان فرماکر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مختلف خلوتوں میں مجھے اس قدر عجیب حالات منکشف ہوئے جو شمار میں نہیں آسکتے۔

مختصر یہ ہے کہ مجھے یقیناً معلوم ہُوا کہ صوفیہ ہی ایک گروہ ہے جو خدا کی راہ کو طے کرتے ہیں۔ اِن کی سیرت تمام سیرتوں سے بہتر اور ان کا طریقہ تمام طریقوں سے زیادہ درست ان کے اخلاق تمام اخلاق سے پاکیزہ بلکہ اگر ہم تمام عقلمندوں کی عقل اور فلاسفہ کی حکمت اور تمام علماء شریعت کے علم جمع کریں اور ان کی سیرت اور خُلق کے مقابلہ میں عمدہ سیرت اور خلق طلب کریں تو ہرگز نہیں ملیگی کیونکہ ان کی تمام حرکات وسکنات ظاہری و باطنی نبوت کی روشنی سے لئے گئے ہیں۔

الغرض جس طریقہ میں دل کا تمام ماسوا ذات حق سے پاک کرنا پہلی شرط ہو۔ اور ذکر الٰہی میں مستغرق ہونا اس کا ابتداء بجائے وضُو کے ہو۔ اور اللہ جلشانہ کی ذات

میں بالکل فنا ہو جانا اِس کے اُن مقامات کا جو بندہ کے کسب و اختیار کے ماتحت ہیں۔ آخری مقام ہو۔ اِسپر کوئی کیا اعتراض کرسکتا ہے۔ آگے آپ چند مقامات کا ذِکر فرماکر ارشاد فرماتے ہیں۔

"ھٰذہٖ حالتہ یتحققھا بالذوق من سلک سبیلھا فمن لم یرزق الذوق فلیتقبل بالسّامع ان اکثر مع اھل الذوق الصّحبۃ حتی یفھم ذٰلک بقرائن الاحوال یقیناً فمن جالسھم استفاد منھم ھٰذا الایمان فھم القوم لا یشقٰی جلیسھم ومن لم یرزق صحبتھم فلیعلم امکان ذٰلک" یعنی یہ باطنی کمال ایک حالت ہے۔ جسے سالک راہِ خدا ذوقی طور پر معلوم کرلیتا ہے اور جسے ذوق نہ ہو۔ وہ سُن کر قبول کرے اور اہل ذوق سے بہت صحبت رکھے تو خود ان کے حالات سے اسے یقیناً معلوم ہو جائیگا۔

آخر میں منکرین علم باطن کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں "وراء لھٰؤلاء قوم جھّال ھم المنکرون لاصل ذٰلک للتعجبون من ھٰذا الکلام یستمعون ویسخرون ویقولون العجب انّھم کیف یھذون وفیھم قال اللہ سبحانہٗ ومنھم من یستمع الیک حتّٰی اذا خرجوا من عندک قالوا للّذین اوتوا العلم ماذا قال اٰنفًا اولٰئک الذین طبع اللہ علٰی قلوبھم واتبعوا اھواءھم والّذین اھتدوا زادھم ھدًی واٰتٰھم تقوٰھم" مذکورہ دلائل طالب حق کیلئے کافی ہیں۔ اب آخر میں ہم تبرکاً اس مسئلہ کے متعلق اپنے حضرت خواجہ غریب نواز سیالوی ادام اللہ برکاتہم کا ملفوظ بیان کرتے ہیں سنہ ۱۳۲۱ھ ۲۹ شوال تقریب عرس حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ خاکسار حضرت قبلۃ السالکین کعبۃ العاشقین مرشدنا ادام اللہ برکاتہم کی قدمبوسی سے مشرف ہوا مقیمان آستان عالیشان اور مولانا قاضی محمد نوشہروی و مولانا مولوی احمد سیہرالوی وغیرہ خلفاء و درویشان باصفا حاضر مجلس گرامی تھے۔ وقت بہت ہی راحت تھا عشاق حضور کے چہرہ مبارک سے جمال الٰہی اور کمال نامتناہی کا مشاہدہ کر رہے تھے آپ کی حق بین آنکھیں سوزش عشقی سے سرور وصل کی صورت میں جلوہ گر تھیں آپنے چشم پُرآب ہو کر قاضی محمد نوشہروی سے (جو علاقہ ضلع شاہ پور میں ایک جلیل القدر متبحر فاضل ہیں) مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا ؎ ایمان سلامت ہر کوئی آکھے عشق سلامت کوئی۔ بعد ازاں ایمان و عشق کی تشریح فرمائی کہ ایمان دل اور زبان سے مان لینا ہے۔ اور عشق محبوب حقیقی کی محبت میں بیقرار رہنا ہے۔ شاید یہ ارشاد قاضی صاحب کے کسی خیال کا جواب ہوگا جو وہ خود ہی جانتے ہونگے لیکن یہ مختصر ارشاد ہمارے مضمون کو بخوبی حل کرتا ہے کیونکہ اعمال صالحہ اسلام و ایمان کی حقیقت میں (جو اہل شرع نے ...) سوز شوق عشق اور بیقراری داخل نہیں تھی۔ یہ اِن کے علاوہ ایک کیا اشارہ ہے ... یا طرح، کو پیران عظام کے سینہ سے بغیر ظاہری آلہ کے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع

علم

"ذیل کا مضمون جناب مولانا مولوی غلام اللہ صاحب قصوری کا ہے جنکا فضل و کمال شہرۂ آفاق ہے" ایڈیٹر

علم کے معنے دانستن کے ہیں مگر انسان جس علم کے حاصل کرنے سے اشرف المخلوقات کا تمغا حاصل کرنیکا مستحق ہوتا ہے۔ وُہ خود شناسی اور خداشناسی کا علم ہے۔

حضرت انسان اگر اپنے وجود پر غور کرے اور تفکر اور تدبر سے کام لے تو اوسے بل البدائیت معلوم ہوگا کہ میرے پیدا کرنیوالا کوئی ہے۔ وہی خدا واحد ہے جس کی عظمت اور شان کا کوئی بشر نہیں ہوسکتا۔ وہی ایسا بے نیاز ہے۔ کہ سوائے مصالحہ کے اس بلندی اور رفعت کے ساتھ بلاستون آسمانوں کو ہمارے لئے چھت بنائی اور بلا روغن و فتیلہ ہمیشہ روشن رہنے والی قندیلیں اور عجائب و غرائب فانوس اور نہائیت اعلےٰ درجہ کی روشنی دینے والے لیمپ ستاروں سیاروں چاند۔ سورج سے اوسکو منور کیا۔ وہی صانع علے الاطلاق ہے۔ جس نے ہمارے لئے نہائیت نرم اور سخت فرش زمین کا بچھایا اور اُس کو طرح طرح کے خوش اشجار و نباتات سے مزین فرمایا۔

اور دریا پہاڑ سمندر ہمارے آرام اور راحت کے لئے بنائے غرض جو چیز زمین و آسمان میں ہے۔ وُہ سب انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ان سب مصنوعات کا مجموعہ حضرت انسان کو بنایا۔ زمین۔ آسمان۔ چاند۔ سورج۔ پہاڑ۔ دریا اشجار و نباتات مختلف قسم کے حیوانات اس ہیولے میں پیدا فرماوے۔ اس واسطے الٰہی پاک کلام میں اس مضمون کی طرف توجہ دلائی کہ اُن کو جہان میں اپنے نشانات الوہیت اور وحدانیت کے دکھا چکے ہیں اور دکھارہے ہیں۔ ایسا ہی اُنکے وجود میں ایسے نشانات دکھاتے ہیں تاکہ وے ہمپر یقین کریں اور جان لیں کہ بیشک ایسا صانع مطلق لائق پرستش اور عبادت کے ہے اس واسطے انسان کو عالم صغرےٰ کہا گیا ہے۔ کیونکہ تمام موجودات کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اس اجمال کی تفصیل کے لئے دفتروں کے دفتر ہوں توکم ہیں۔ مگر ان سب کی طرف توجہ کرنیکے لئے ہماری ظاہری آنکھیں ہی کام نہیں دیتیں بلکہ باطن کی آنکھیں اگر انسان کھولے تو اُسکو دفتروں کی ضرورت نہیں رہیگی بلکہ ادنےٰ توجہ سے وُہ اِن سب مصنوعات پر حاوی ہی نہیں ہوگا۔ بلکہ وُہ عالم صغرےٰ اور عالم کبرےٰ کی تمام موجودات کا سیر کرکے

اور اُن کا آپسمیں تطابق اور تناسب معلوم کر کے اس طرح شکار کھیلتا ہے ۔ کہ جیسا ایک بادشاہ کسی لق ودق میدان میں بلا روک وٹوک شکار کھیلتا اور درندو پرند کو مارتا اور تابع کرتا ہے اسی طرح یہ شخص قوائے نفسامیہ و بہیمیہ کو زیر فرمان کرتا اور کبر و غرور حسد و بغض وغیرہ خصائل ردیلہ کو زیر کر کے قوت ملکیہ کو سب پر غالب کر لیتا ہے مگر یہ درجہ کن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اُنہیں لوگوں کو جو باطنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔ باطنی کانوں سے سنتے ہیں ۔ باطنی ہاتھوں سے کام کرتے ہیں ۔ باطنی پاؤں سے چلتے ہیں ۔ باطنی دل سے تفکر کرتے ہیں ۔ اگر آپ کو یہ خیال گذرے کہ یہ کیسا معما ہے باطنی ہاتھ اور آنکھیں وغیرہ کیسی یہ باتیں خلاف مشاہدہ اور خلاف شریعت ہیں ۔ یہ باتیں نہ درایت کی ہیں نہ روایت کی اس لئے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ انسان اپنے خیال سے سیر بھی کرتا ہے ۔ اپنے خیال سے کھانا بھی کھاتا ہے ۔ اپنے خیال سے مارتا اور مار کھاتا بھی ہے ۔ غرض ہر ایک کام جو ظاہری اعضا سے انسان کر سکتا ہے ۔ اپنے خیال سے ہی کر سکتا ہے ۔ یہ مسئلہ بدیہی ہے اور روزمرہ کا تجربہ ہے ۔ بلکہ خیالی قوت سے بعض وقت انسان ایسا کام کر لیتا ہے ۔ جو ظاہری اعضا سے نہیں ہو سکتا ۔ اس عام حالت کا انکار انسان ہرگز نہیں کر سکتا البتہ جو لوگ اس قسم کے ہیں ۔ اُن کو کبھی خواب نہیں آتا یا بباعث صدمہ یا کوئی یعنی مرض یا کسی اور وجہ سے اُنکی قوت متخیلہ نہائیت درجہ کی ضعیف ہو گئی ہو اُسکو شائد ایسے واقعات کے ماننے میں کچھ تامل ہو مگر کسی ایک فرد پر ایسی حالت جاری ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسے واقعات انسان پر نہیں گذرتے اس حالت کا انکار ایسا ہے جیسا کہ سورج نکلے ہوئے سے انکار کرنا ۔ یہ تو درائیت اور تجربہ ہے اور روائیت یہ ہے کہ قرآن شریف میں خداوند تبارک و تعالٰے نے کفار کی نسبت فرمایا ہے کہ اُن کی آنکھیں ہیں ۔ مگر دیکھتے نہیں ۔ اُن کے کان ہیں مگر سنتے نہیں ۔ اُن کے دل ہیں ۔ مگر سمجھتے نہیں ۔ کفار کے سب اعضا ظاہری موجود تھے ۔ مگر باطنی اعضا نہیں رکھتے تھے اس واسطے اللہ تبارک و تعالٰے نے اُن کی نفی فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری جوارح ہمارے کسی کام کے نہیں جب تک باطنی آنکھیں کان وغیرہ کو استعمال میں نہ لاویں ۔

جب یہ بات درایت و روائیت سے ثابت ہو گئی تو اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حالت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے ۔ پس جاننا چاہیئے کہ جب تک کسی کامل کی صحبت میں نہ رہئے تب تک میدان کا انکار ممکن نہیں ہے ۔ اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مرد کامل کی صحبت سے

اگر قوت خیالیہ کو تقویت ہو گئی تو اُس سے کیا حاصل خیال آخر خیال ہی خیال ہے اِس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔!

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ قوت خیالیہ ہی ابتدائے ہر ایک علم کا اور ہر ایک کام کا ہے۔ کیونکہ علم تشریح بدن انسان سے جو لوگ ماہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ جسطرح ظاہری بناوٹ دماغ کی ہم دیکھتے ہیں کہ تین درجے ہیں اِسی طرح باطنی لحاظ سے تین درجہ سے ایک شے ہمارے دماغ کے اعلےٰ درجہ میں یا یوں کہیئے کہ دماغ کی تیسری کوٹھڑی میں کرسی پر اُسی وقت جاکر بیٹھے گا یا منقش ہو کر درجہ یقین تک اُسی وقت پہنچیگا جب کہ وہ خیال اور وہم کا حد طے کر کے یقین کی حد تک نہ پہنچے۔ اطبا۔ اور ڈاکٹر بلکہ ہر ایک طالب العلم جو ہسپتال میں تشریح کا علم پڑھتا ہے اور انسانی اعضا کو دیکھتا ہے وہ یقین کر سکتا ہے کہ انسان کی کھوپری کے تین درجہ ہیں۔ اخیر درجہ میں جاکر وہی خیال منقش ہو کر یقین کا درجہ پاتا ہے۔

اِسی طرح حضرت انسان مرد کامل کی صحبت میں بیٹھکر اور باطنی علم پاکر اپنے خیال سے یونہی یقینی امور کو پیدا کرتا اور مصدر فیوض رحمانی و منبع انوار صمدانی بن سکتا ہے۔

اس کی تفصیل بہت ہے اور اگر خدا کو منظور ہوا تو پھر کسی وقت اِس مضمون کو مفصل لکھونگا۔ اس موقع پر مندرجہ عنوان کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جب یہ علم ہمارے لئے ضروری ہوا تو اب ہمیں دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ علم ہم کو کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔

پس یقین کرنا چاہیئے کہ اس علم کو تفصیل سے بیان کرنے والے اور ہم کو باطنی بناوٹ کا پورا اور سچا سبق دینے والے وہی وجود پاک ہیں جنہوں نے علم اولین والآخرین اُس علام الغیوب سے پایا ہے جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا ہر ایک چیز کے ابتدا و انتہا سے واقف ہے۔ اُس رب العالمین نے اِس پاک وجود کو اپنی صفات کاملہ سے وہ حصہ دیا کہ کسی انسان کو خواہ وہ کیسا ہی اعلےٰ درجہ کا کیوں نہ ہو۔ علم و فضل شرف و کمال میں اُن کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ملا سچ تو یہ ہے۔ کہ اُس پاک وجود کو جو کچھ ملا ہے۔ بمقابلہ تمام مخلوقات بمنزلہ سمندر کے ہے اور سب کاملین کا علم اُس کامل کے علم کے مقابلہ میں وہی درجہ رکھتا ہے۔ جو ایک بزرگ نے فرمایا ہے

کلھم من رسول اللہ ملتمس غرفا من البحر او رشفا من الدیم
بتاؤں تمہیں نام پاک محمد محمد محمد محمد محمد

اے ناظرین باتمکین! ہمارا یہ دعوےٰ ہی دعوےٰ نہیں ہے بلکہ عقل انسانی کو اگر بلا تعصب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری اور آپ کے علوم لدنیہ کے دیکھنے اور سوچنے کیطرف لگا یا جاوے۔ اور آپ کی تعلیم روحانی اور آپ کا برتاؤ غیروں سے اور کاملین سے مقابلہ کریں تو ہر ایک ذی عقل بلا تقلید مذہبی یقین کر سکتا ہے۔ کہ بیشک ہماری باطنی قوٰی کو بتانے والا اور قوای بہیمیہ کو ملکیہ کے تابع کرنیوالا اور اس میدان میں سیر کرانے والا بلکہ شکار کا طریق بتانے والا وہی وجود پاک ہے، علیہ التحیۃ والسلام۔

اس کامل اور پاک وجود میں یہ طاقت ہے کہ جسطرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اِس پاک وجود رحمتہ العالمین علیہ الف الف تحیتہ و السلام سے تا قیام قیامت چراغ روشن ہوتے رہنگے۔ اُس کامل کے نور سے جس نے اپنے آپ کو روشن کیا ہے۔ اُس کا نام مرشد اور استاد ہے۔ صرف فرق اتنا ہے۔ ظاہری علوم پڑھانے والا استاد کہلاتا ہے۔ اور باطن کا راستہ بتانے والا مرشد۔ جیساکہ ظاہری تشریح کے بتانے والا ڈاکٹر ہے۔ اور باطنی تشریح بتانیوالا عالم۔ جب ڈاکٹر یا طبیب علم تشریح سے واقفیت پیدا کر کے صرف ڈاکٹر اور عالم طبیب کہلا سکتا ہے اور طب کو عمل میں لانے سے طبیب عملی اور معالج ڈاکٹر کہلاتا ہے۔ اِسی طرح جو شخص ظاہری علوم کا واقف ہو وہ صرف عالم اور باطنی علوم کا ماہر ہو وہ شیخ یا مرشد یا صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔

اگر آپ کے دل میں یہ خیال گذرے کہ علم ظاہر اور باطن کیا ہوتا ہے۔ تو اُس کا جواب ہیں اتنا ہی دیکر اُن کو نہیں ٹالونگا جس قدر مضمون ہذا میں اب تک بیان مجملاً ہوا ہے۔ دانا آدمی اس سے خیال کر سکتا ہے کہ جسطرح انسان ظاہری اعضا اور باطنی اعضا رکھتا ہے۔ اسی طرح علم بھی ضرور ظاہری اور باطنی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ظاہری اعضا پر توجہ دلانیوالا علم یا یوں کہیئے کہ ظاہری صفائی کے ذرائع اور ہیں۔ جنکو علم ظاہر کہنا چاہیئے۔ اور باطنی صفائی کے ذرائع اور جس کو علم باطن کہا جاتا ہے۔ اور جو شخص پہلے علم کا واقف ہے۔ اُس کو عالم یا استاد اور دوسرے علم کے واقف کو صوفی یا شیخ یا مرشد۔ صرف پہلے علم کے حصول سے انسان کامل نہیں ہو سکتا۔

اِسی طرح صرف دوسرے علم کے حصول بلکہ دوسرا علم پہلے علم کے سوائے پورے

طور پر حاصل ہونا محال کے قریب ہے۔ الا ماشاء اللہ والنادر کالمعدوم۔
بلکہ عقلی اور نقلی طور پر آپ کو ثابت کر کے دکھاؤنگا کہ ہر ایک چیز کا ظہر اور بطن ہے۔ دنیا کی اشیاء پر جب ہم نظر مارتے ہیں تو ہر ایک چیز کی دو شکلیں ہم کو دکھائی دیتی ہیں یہ نہیں کہ انہیں ظاہری آنکھوں سے ایک نئی چیز کو دو دیکھتے جیسا کہ احول دیکھتا ہے۔ بلکہ ہر ایک چیز کا ظاہر دیکھکر جب ہم اُس کے باطن کی طرف نظر عمیق کرینگے تو معلوم ہو جاویگا کہ یہ شے پہلے کچھ اور تھی اور اب کچھ اور بن گئی ہے۔ مثلاً گندم یا کسی اور غلہ کو جب دیکھینگے تو معاً ہماری نظر میں یہ بات سما جائیگی کہ یہ کسی وقت ہری ہری لہلاتی انگوری تھی۔ یا ایک پارچہ کو جب دیکھینگے ظاہری نظر سے تو غور کرنے والے کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ کسی وقت بنولہ تھا۔ اور کسی وقت درخت۔ بہر حال اسی طرح ہر ایک شے کو ہم تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسی طرح عالم صغرےٰ کبریٰ وما فیہا اور ہلم جرا اسی طرح سے انسان کے افعال۔ اقوال۔ اطوار اوضاع۔ غرض یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے۔ مگر نہ صرف مذہبی اور مسلمہ بلکہ ایسا قاعدہ ہے کہ جہان میں کوئی بھی انسان خواہ کسی مذہب وملت کا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور اسلام مقدس چونکہ تمام دنیا کے لئے ہے۔ اور اپنے اصول کے اعتبار سے ایک ممتاز فخر رکھتا ہے۔ جو کسی مذہب کو نصیب نہیں وہ کیا ظاہری اور باطنی صفائی۔ اس لئے اس مذہب مقدس کے مقنن علیہ التحیۃ والسلام نے اسلامی اصول وفروع میں ظاہر اور باطن کی صفائی کو مدنظر رکھا ہے۔ اسی واسطے حکم ہے۔ کہ ارکان خمسہ یعنے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ کلمہ طیبہ صرف زبان سے پڑھ کر یا ظاہری جوارح سے ادا کر کے مدارج اعلےٰ نہیں پا سکتا۔ ہاں جو ظاہری علوم کے ماہر اور ہمارے ظاہری تعلقات کے قائم رکھنے والے ہیں۔ اُن کے نزدیک پہنچ جائیگا۔ مگر خدا کے نزدیک وہ مدارج اعلےٰ پائیگا اُسی وقت مستحق ہوگا۔ جب کہ دل سے کلمہ پڑھے۔ دل سے نماز ادا کرے۔ دل سے روزے رکھے۔ دل سے حج کرے۔ دل سے زکوٰۃ دے۔ دل سے کلمہ پڑھنا کیا ہے۔ جب زبان سے کلمہ پڑھا اور اقرار کیا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ اور شرک کے کام کرے تو گویا اُس نے دل سے کلمہ طیبہ نہیں پڑھا جب سرور کائنات کی اتباع پوری تھی۔ اور آپ کی محبت دل میں تھی تو ظاہری اقرار اس کا سوائے اس کی شہرت اقرار کے بجا ہے کہ یہ مسلمان کہلانے کے لائق ہو۔ اللہ تعالےٰ کے

نزدیک مدارج اعلےٰ نہیں پا سکتا۔ اِسی طرح اگر نماز پڑھ رہا ہے۔ اور خشوع خضوع اس میں نہیں یعنے اپنے مولےٰ کیطرف پوری توجہ نہیں۔ جو باطن نماز کا ہے۔ تو اُس کو کامل مومن نہیں کہا جاویگا۔ علیٰ ہذا القیاس جو شخص روزہ رکھتا ہے۔ اور کھانے پینے وغیرہ مفطرات صوم سے اجتناب کرتا ہے۔ مگر غیبت سے باز نہیں رہتا۔ زبان سے فحش باتیں نکالتا ہے ہاتھوں سے ناجائز امور بجا لاتا ہے۔ آنکھوں سے غیر مشروع اشیاء دیکھتا ہے۔ توسوائے اِس کے کہ اُس کو لوگ روزہ دار کہیں اپنے مولےٰ کے ہاں اعلےٰ درجہ نہیں پا سکتا۔ ایسا ہی جو شخص زکوٰۃ دیتا یا حج کرتا ہے۔ اور اُس کے متعلقین یا ہمسائے غریب عاجز مفلس ہیں۔ اور وہ اُن کی خبر گیری نہیں کرتا۔ یا یوں کہیئے کہ فوائد حج سے مستفید اور دل کے تزکیہ سے واقف نہیں ہوتا۔ تو سوائے اِس کے کہ اِس کو سخی یا حاجی کہا جائے۔ اور اُس کو کیا حصہ مل سکتا ہے۔ غرض شریعت محمدیہ علیہ التحیۃ والسلام کا ہر ایک مسئلہ فروع واصول کا ظاہر اور باطن رکھتا ہے۔ اور جب تک ظاہر اور باطن ٹھیک نہیں۔ اُس عمل کا اصلی عامل متصوّر نہیں ہوگا۔ یہی مضمون مصلح حقیقی فداہ ابی وامی علیہ الف الف تحیۃ والسلام نے حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے۔ ظاہر اور باطن کا انکار کرنا گویا اپنی شریعت کو ناقص بنانا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی۔ اب ہم آپ کو تفصیل سے سبق دیتے ہیں۔ اور توجہ دلاتے ہیں علم کے اقسام کیطرف مگر یہ مذکور خاطر رہے۔ کہ یہاں ہماری غرض علم کے جمیع اقسام بیان کرنے کی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ رسالہ مذہبی ہے۔ اور مذہب اسلام کے ایک خاص گروہ یعنے صوفیا کا یا یوں سمجھیئے کہ اسلامی فلاسفروں کا اس میں مضمون صرف وہی اقسام کے بیان ہونگے جو دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور چونکہ صوفیا کرام کا طریقہ۔ بلکہ یہ سمجھیئے کہ اسلام مقدس کے اصول یا نجات کے ذرائع جو کچھ کہ اس گروہ مبارک نے بیان فرمایا ہے۔ وہ ایسا محدود نہیں ہے کہ صرف مسلمانوں کو ہی اُس کا ماننا لازم ہے۔ بلکہ بنی نوع انسان کی طبعیت کے مطابق اور انسانی عقل کے موافق اور افراط تفریط سے مبرا اور تکلیف مالایطاق سے خالی اور فطرت کے لائق مسائل ہیں جو نمونتہً اوپر بیان ہو چکے۔ اور انشاء اللہ بشرط زیست وقتاً فوقتاً ہدیہ ناظرین ہوا کرینگے۔

باقی آئندہ

نقل خط (متعلق رسالہ ہذا)

"بعالیخدمت فیضدرجت حضرت شاہ صاحب وصنا مخدوم و مکرم حضرت سید جماعت علیشاہ صاحب مدظلہٗ زاد عنایتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ بعد سلام و نیاز معروض بخدمت فیضدرجت ہے آج رسالہ نمبر ۲ میرے پاس پہونچا اُسکی
مطالعہ سے مجھکو نہائیت خوشی ہوئی اڈیٹر نے جو کچھ لکھا اچھا اور عمدہ عبارت سے لکھا حمد و نعت بہت پیاری
اور عجائب درج ہوئیں اُن سے اس رسالہ کی عزت دوبالا ہو گئی۔ اور جناب کا مضمون تو سبحان اللہ بہت
بادلائل اور بہت دلچسپ و عمدہ عبارت کیساتھ نور علی نور ہے۔ اُس سے دل میں روشنیاں پیدا ہوتی
ہیں اور میشاہ بہت عمدگی سے ثابت ہوتا ہے۔ انشاء اللہ اس کو دیکھ کر بہت لوگ ضرورت شیخ کی
قایل ہو جائیں گے اور آوارگی اُنکی جاتی رہیگی اس رسالہ نمبر ۲ کے مضامین سے میری بڑی تشفی ہوئی
اور امید ہے کہ انہیں خوبیوں سے یہ رسالہ آئیندہ بھی نکلیگا اور طالبان حق کو بڑا فایدہ پہونچائیگا
جناب نے جو ارقام فرمایا ہے کہ انگریزی ترجمہ کا بھی بندوبست ہو گیا ہے اس سے بھی بڑی خوشی ہوئی
امید ہے وہ بھی رنگ لائیگا مگر یہ ترجمہ کرنیوالوں کو فرمادیں کہ جو اصطلاحیں عربی کی ہیں اُنکو قایم رکھیں
اُنکے لئے انگریزی لفظ نگھڑیں تاکہ انگریزی لفظ سے مطلب نہ بدل جاویں۔ بہتر ہے کہ اُن لفظوں
کے واسطے مترجم مجھسے مشورہ کرلیں ترجمہ چھپنے کے بعد اگر کوئی غلطی مطلب یا اصطلاح کے معنون کے
معلوم ہوئی تو پھر دقت ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ ترجمہ عمدہ ہو اور مطلب نہ بدلے۔ زیادہ حد ادب عریضہ انور علی عفی عنہ

ازمقام [illegible] مرقومہ ۱۹ جنوری ۱۹۰۵ء۔

اخبار

جلالت مآب حضرت سلطان المعظم نے حکم دیا ہے کہ ممالک عثمانی کے تمام والی و گورنر اور اُن کے ماتحت حکام اپنے اپنے علاقہ میں تجارت، صناعت کو ترقی دینے کے اسباب و وسائل پر عملدرآمد کریں۔

جلالت مآب حضرت سلطان المعظم نے حکم دیا ہے کہ آپ کے عہد میمنت مہد میں جو قابل نمود تعمیریں ہوئی ہیں اُنکے متعلق ایک مستقل کتاب لکھی جائے اور ہر تعمیر کی تاریخ اور افتتاح اور دیگر امور ضروریہ کے علاوہ ہر ایک عمارت کا نقشہ بھی اُس میں دیا جائے۔

باب عالی نے قسطنطنیہ کی میونسپل کمیٹی کو لکھا ہے کہ کمیٹی مذکور اس امر کا پورا خیال رکھے کہ جو نئے مکانات اب تعمیر ہوں وہ قواعد حفظان صحت کے موافق ہوں اور آہستہ آہستہ یہ بھی کوشش کرے کہ آئیندہ مکانات مٹی سے نہ پاٹے جائیں۔ بلکہ موجودہ کچی چھتیں بھی اُکھاڑ کر پختہ اینٹوں سے بنائی جائیں اور اصطبل

۲ وغیرہ مکانات آدمیوں کے رہنے کے گھروں سے فاصلہ پر تعمیر ہوا کریں۔

رسید زر

پیر حیات محمد صاحب سیالکوٹ	عہ
مولوی عبدالحکیم صاحب "	عہ
مولوی نور حسن صاحب "	عہ
مستری عبدالعزیز صاحب "	عہ
مستری محمد شفیع صاحب "	عہ
منشی پیر بخش صاحب "	عہ
حافظ اللہ رکھا صاحب "	عہ
مولوی عبدالحکیم صاحب "	عہ
محمد خان صاحب بمبا "	عہ
میاں عبدالغنی صاحب لدھڑ	عہ
مولوی محمد حسین صاحب پسرور	عہ
منشی کریم بخش صاحب [illegible]	عہ
چوہدری غلام نبی صاحب بانگی	عہ
شیخ مشتاق دین صاحب قلعہ سوبھا سنگھ	عہ
میاں اسد اللہ صاحب [illegible]	عہ
چوہدری غلام الٰہی صاحب سکھاٹہ	عہ
چوہدری فتح دین صاحب مہیس	عہ
میاں نور دین صاحب ڈیریانوالہ	عہ
چوہدری فضل دین صاحب ویرکی	عہ
شیخ بوٹا صاحب ضلع ہوشنگ آباد	عہ
شیخ شہاب دین صاحب لاہور	حمہ
بابو محمد بخش صاحب "	حمہ
بابو نادر علی صاحب "	عہ
چوہدری عمر دین صاحب "	عہ
مولوی حسام دین صاحب "	عہ
چوہدری فضل دین صاحب "	عہ
بابو رکن دین صاحب پنڈی گھیب	عہ

میر احمد شاہ صاحب امرتسر	عہ
میر حسن شاہ صاحب "	عہ
مستری غلام رسول صاحب "	عہ
سبحان ملک صاحب "	عہ
مولوی محمد اسماعیل صاحب "	عہ
مستری عید احمد صاحب "	عہ
مولوی غلام احمد صاحب کلکتہ	عہ
ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب امرتسر	عہ
پیر عبداللہ صاحب کلکتہ	عہ
میاں عبدالرحمن صاحب "	عہ
میاں نظام دین امرتسر	عہ
چوہدری نواب خان ڈہگائی	عہ
شیخ دین محمد صاحب مدراس	عہ
میاں پیر بخش صاحب چمیہ خورد	عہ
مولوی محمد دین صاحب قصور	عہ
میر حبیب اللہ صاحب امرتسر	للعہ
حافظ عبداللہ صاحب قصور	عہ
میاں تاج دین صاحب "	عہ
میاں نبی بخش صاحب "	عہ
مستری عبدالحکیم صاحب کھوسٹ	عہ
میاں نبی بخش صاحب	عہ
پیر برکت علی صاحب کوئٹہ	صمہ
میاں محمد بخش زرری "	عہ
میاں حشمت اللہ صاحب "	عہ
میاں احمد بخش صاحب "	عہ

شیخ محمد عظیم صاحب کوئٹہ	عہ
بابو علی محمد صاحب بارکھان	عہ
مولوی محمد دین صاحب بی اے بہاولپور	عہ
میر اعجاز حسین صاحب بلی	عہ
چوہدری محمد شفیع صاحب بی اے شاہ پور	عہ
مولوی محمد حسین صاحب بی اے رہتک	عہ
منشی نبی بخش صاحب "	عہ
شیخ عطاء اللہ صاحب ایبٹ آباد	عہ
مرزا ظفر اللہ صاحب گورداسپور	عہ
شیخ نبی بخش صاحب "	عہ
چوہدری یعقوب خان صاحب بی اے	عہ
حافظ اوصاف علی صاحب "	عہ
مہر امیر اللہ صاحب کلانور	عہ
شیخ مہر بخش صاحب "	عہ
منشی فیروز دین صاحب [illegible]	عہ
منشی فیروز دین صاحب [illegible]	عہ
سید چراغ شاہ صاحب جموں	عہ
قاضی امیرالدین صاحب "	عہ
قاضی عزیزالدین صاحب "	عہ
شیخ کرم دین صاحب کشمیر	عہ
خواجہ غلام علی صاحب امرتسر	عہ
شیخ مراتب علی صاحب لاہور	عہ
مولوی محمد بخش صاحب جالندھر	عہ
بابو حاکم دین صاحب لاہور	عہ
مولوی الطاف حسین صاحب بی اے دہلوی	عہ

راجہ فرمان علی صاحب کشمیر	عہ
شیخ احمد بخش صاحب ضلع جالندھر	عہ
بابو علی احمد صاحب کرنال	عہ
ڈاکٹر محبوب عالم صاحب لکھنؤ	عہ
شیخ عبدالرحمن صاحب [illegible]	عہ
پیرزادہ دین صاحب رہتک	عہ
حافظ عبدالحکیم صاحب کانپور	عہ
ارشاد احمد صاحب [illegible]	عہ
بابو محمد علی صاحب (یار کہاں)	عہ
نواب مرزا صاحب تحصیلدار	عہ
بابو عبدالعزیز صاحب منگو	عہ
منشی عبدالرحمن صاحب کوہاٹ	عہ
بابو محمد امین صاحب کوہاٹ	عہ
منشی فتح دین صاحب لائل پور	عہ
شیخ محمد حسین صاحب "	عہ
حکیم نیاز محمد صاحب نوشہرہ	عہ
منشی نیاز احمد صاحب کشتوار	عہ
خواجہ غلام مصطفی صاحب کشمیر	عہ
قاضی فضل احمد صاحب [illegible]	عہ
خان محمد خاں صاحب پھلور	عہ
حکیم فضل احمد صاحب جالندھر	عہ
مولوی خدایار صاحب ملتان	عہ
بابو غلام یاسین صاحب رائے ونڈ	عہ
منشی عزیز دین صاحب "	عہ
منشی عنایت حسین صاحب فیروزپور	عہ
میاں فضل دین صاحب "	عہ
منشی محمد اسماعیل صاحب فرید کوٹ	سے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ۷۸۶ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

التماس

رسالہ انوار الصُّوفیہ جس کے انوار آفتاب کی طرح درخشاں ہیں جس کے مضامین علم سلوک اور تصوّف کے رُوح وروان ہیں۔ اسلام کا لُبِ لباب اور بوستانِ دین کا گُلِ انتخاب کہنا اسے زیبا ہے۔ اللہ اللہ کیسے اسرار رُوحانیّت کے گُلہائے رعنا اُس میں شگفتہ ہو رہے ہیں۔ قلبِ مومن اگر عرش ہے تو اس رسالہ کا ایک نُسخہ اُس عرش کی قندیل ہے یعنی مومنوں کے قلب اُس کے انوارِ فیض سے مُنوّر ہونگے۔ یہ رسالہ نہیں ہے ایک گلدستہ ہے جسمیں گلشنِ ایجاد کے نادر پھول سجا کر اصحابِ ذوق کے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ اَور رسالوں کی طرح ایک بار مطالعہ کے بعد تقویم پارینہ سمجھا جا کر ردّی میں پھینکا جانیکے لائق نہیں ہے اس کو دیکھئے پھر دیکھئے بار بار دیکھئے بلکہ اس قدر دیکھئے کہ محو تماشا ہو جائیے۔ یہ شاہد معنی ہر بار نئے لباس میں جلوہ گری کریگا۔ اور نئی ادا سے صُورت دکھاویگا۔ نظر باز آنکھ اور قدر دان دل کا ہونا شرط ہے۔ اس کی بیقدری محرومیت کی دلیل ہے۔ آئیے اس عزیز کا خیر مقدم کیجئے۔ اور اسکو آنکھوں کی راہ سے دل میں اور دل سے پردۂ جان میں اُتاریئے۔ اور اس کی ہر بار نئی ادا کو ملاحظہ فرمائیے! اور اس شعر کو بار بار اسکے حضور میں پڑھئے ؎

ہر دم چمن خود را رنگِ دگر آرائی ٭ شورے دِگر انگیزی ذوقے دگر افزائی

مگر حدِ ادب نگاہ رہی۔

ایڈیٹر